# الاصلاح

## دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

## امین احسن اصلاحی

رجسٹرڈ نمبر ا ۔ ۲۹۰۲

## دائرہ حمیدیہ کی اعانت

دائرہ حمیدیہ کی خدمت و اعانت، کتاب الٰہی کی خدمت و اعانت ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ جو حضرات سو روپے یکمشت دائرہ کو عنایت فرمائیں گے وہ دائرہ کے معاون دائمی متصور ہوں گے۔ ان کو دائرہ کا رسالہ "الاصلاح" اور تمام مطبوعات برابر ہدیۃً دی جائیں گی۔

۲۔ جو حضرات پچاس روپیہ یکمشت عنایت فرمائیں گے۔ ان کو رسالہ الاصلاح اور دائرہ کی دوسری مطبوعات برابر نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

۳۔ جو حضرات دس روپے سالانہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں الاصلاح بے معاوضہ جاری کیا جائے گا اور سال بھر کی مطبوعات بلاقیمت بھیجی جائیں گی۔

## ہدایات و قواعد

۱۔ الاصلاح ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تک شائع ہوگا۔

۲۔ اگر مہینہ کے آخر تک پرچہ نہ پہنچے، فوراً دفتر کو لکھ کر منگوا لیجئے ورنہ بقیمت بھیجا جائے گا۔

۳۔ مضامین وغیرہ اڈیٹر کے نام بھیجئے اور دفتر سے متعلق امور کے لئے تمام خط و کتابت منیجر سے کیجئے۔

۴۔ دفتر سے خط و کتابت کرنے میں خریداروں کو نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔

۵۔ چندہ سالانہ چار روپے۔ بیرون ہند کے لئے چھ روپے۔ فی پرچہ چھ آنے۔

عبدالاحد اصلاحی منیجر دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ

محمد عبدالاحد طابع و ناشر نے مطبع الاصلاح پریس مدرسۃ الاصلاح سرائمیر ضلع اعظم گڈھ میں چھاپ کر شائع کیا

# دائرہ حمیدیہ کی اردو مطبوعات

## تفسیر سورۂ اخلاص

استاذ امام علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس سورۃ کی ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں۔ لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہیؒ کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں۔ ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت وطباعت بہترین۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت :۔ ۵ر

## تفسیر سورۂ کوثر

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ الکوثر کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں کوثر کی تحقیق، خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز اور قربانی کے اسرار وحقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے کتابت وطباعت جاذب نظر کاغذ عمدہ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۱۲۳ صفحے قیمت :۔ ۸ر

## تفسیر سورۂ لہب

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ اللہب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بددعا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت حیرت انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے کتابت طباعت بہتر کاغذ نہایت عمدہ حجم ۴ قیمت ۲ر

منیجر

| جلد ۳ | ماہ صفر ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۸ء | نمبر ۴ |
|---|---|---|

## فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| شذرات | امین احسن اصلاحی | ۱۹۳-۲۰۰ |
| **معارف قرآن** | | |
| تفسیر سورۂ مرسلات | استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ | ۲۰۱-۲۰۸ |
| ذبیح کون ہے؟ (۴) | ″ ″ | ۲۰۹-۲۱۶ |
| **مقالات** | | |
| سیرت شبلی | جناب مولانا اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے علیگ | ۲۱۷-۲۳۰ |
| **مذاکرہ** | | |
| بلاغ الحق | جناب حافظ مولوی سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب الحسوی | ۲۳۱-۲۴۱ |
| **موعظۂ حسنہ** | | |
| بنیادی رذائل (۲) | جناب مولوی عزیز الرحمن صاحب اصلاحی | ۲۴۱-۲۴۶ |
| **حکمت مغرب** | | |
| مارکس ازم کے خیالات | جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے | ۲۴۷-۲۵۰ |
| **تلخیصات** | | |
| قرآن مجید اور موجودہ اثری تحقیقات | حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدظلہ | ۲۵۱-۲۵۴ |
| اہل علم کی خصوصیات | ع ۔ ر ناصر | ۲۵۴-۲۵۶ |

# شذرات

**الاصلاح کا مستقبل** عرصہ سے الاصلاح کے ذاتی معاملات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملی حالانکہ بعض ضروری باتیں ایسی تھیں جن کا ناظرین کے سامنے پیش کرنا ضروری تھا۔

الاصلاح کی اشاعت پر یہ تیسرا سال گذر رہا ہے اس مدت میں جہاں تک مالی معاملات کا تعلق ہے کوئی پریشان کرنے والی زحمت پیش نہیں آئی۔ جناب حافظ حاجی ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب ریٹائرڈ سول سرجن (صدر دائرہ حمیدیہ) جناب شیخ سلیمان صاحب (رکن دائرہ حمیدیہ) جناب مولوی عبدالغنی صاحب انصاری کمشنر انکم ٹیکس (نائب صدر دائرہ حمیدیہ) اور دائرہ کے دوسرے سرپرستوں اور مربیوں نے اتنی رقم اس کے لئے ہمارے ہاتھوں میں دیدی تھی کہ کبھی الاصلاح کے ضروری مصارف کی طرف سے بے اطمینانی نہیں ہوئی۔ اور نہ ۱۹۳۶ء کے آخر تک انشاء اللہ اس قسم کی پریشانی کا کوئی اندیشہ ہے۔ لیکن ہماری خواہش برابر رہی ہے کہ الاصلاح جلد سے جلد اس قابل ہو جائے کہ اپنے مصارف کا بوجھ خود اٹھائے تاکہ آیندہ مربیوں اور سرپرستوں کو اس کی کفالت کیلئے مزید زحمت نہ دینی پڑے۔ مگر افسوس ہے کہ اب تک ایسی حالت پیدا نہ ہوگی۔ سوا دو برس کی مدت میں صرف اتنے خریدار مل سکے ہیں کہ وہ بمشکل الاصلاح کے نصف مصارف پورے کر سکتے ہیں۔ دراں حالیکہ کاغذ اور سیاہی کی قیمت اور کاتب اور ملازمین پریس کی تنخواہوں کے سوا الاصلاح پر ایک پیسہ کا بار نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر آج نہیں تو آج کے آٹھویں مہینہ یعنی آیندہ دسمبر میں ہم کو لامحالہ الاصلاح کے معاملہ پر آخری مرتبہ غور کرنا پڑے گا۔



جہاں تک الاصلاح کے مربیوں و سرپرستوں کا تعلق ہے ان کے سامنے اس کو بند کرنے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ وہ اس صورت میں بھی اس کو جاری رکھنے اور اس کے مصارف پورے کرنے کیلئے آمادہ ہیں۔ لیکن ہم نیازمندوں کو تو اب ان سے شرم آنے لگی ہے۔ جن لوگوں نے اتنی مدت تک ہم کو سہارا دیا یقیناً وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس خدمت دین کا اجر دیگا۔ اور اس بار میں انشاء اللہ وہ تقصیر کے مجرم نہ ہوں گے۔ اور جہاں تک ہم خادموں کا تعلق ہے ہمارا ضمیر بھی مطمئن ہے انسان کے اوپر تمام تر ذمہ داری صرف سعی و کوشش کی ہے۔ اور الحمد للہ ہمارا قلب اطمینان سے لبریز ہے کہ جب ہم نے اتنے عرصہ تک سہارا لے کر کھڑے ہونے کی مشق و ممارست جاری رکھی تو گو ہم کھڑے نہ ہو سکیں لیکن انشاء اللہ ہمارا شمار قاعدین و متخلفین میں نہ ہوگا۔

---

بہرحال اب الاصلاح کے مستقبل پر آخری مرتبہ غور کرنے کا وقت آگیا ہے۔ وقتی امدادیں اور عطیے حاصل کر کے اس کو چلانا ممکن ہے اور ہمارا اندازہ ہے کہ اس طرح اس کو عرصہ تک چلایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ شکل ہم کو پسند نہیں۔ بلاشبہ دینے والے اتنے فیاض ہیں کہ وہ کبھی پیشانی پر بل آنے نہیں دیتے نہ کسی طرح کی مدح و ستائش کے امیدوار رہتے۔ بلکہ ان میں بعض تو وہ ہیں جو الاصلاح کی رایوں اور اس کے طریق کار سے شاید متفق بھی نہیں تاہم وہ اس کے لئے فیاضی سے نہیں رکتے۔ ایسی حالت میں دل گرفتگی اور مایوسی کی کوئی وجہ نہیں لیکن اپنی طبیعت کی افتاد اور مزاج کی وارفتگی کا کیا علاج؟ بخشنے والے بیشک نہیں تھکتے ہیں، اور دینے والوں نے بلاشبہ کبھی نہیں انکار کیا ہے۔ لیکن اگر دینے والوں کی اس فیاضی کی شہ پاکر مانگنے والے اتنے بے حس ہو جائیں کہ بار بار دست سوال بڑھانے میں بھی انھیں کوئی جھجک اور رکاوٹ نہ محسوس ہو اور اتنے احسانات سے گرانبار ہونے کے باوجود مزید احسان کے تصور سے ان کی پیشانی عرق آلود نہ ہو جائے تو غالباً یہ انسانی شرف و خودداری کیلئے کوئی اچھی بات نہیں۔ بس یہ شکل تو اب بہرصورت پسند نہیں کہ الاصلاح کے مربیوں کو اس کے تحفظ و بقا کیلئے

مزید زحمت دیجائے۔ لیکن پھر کب کیا جائے؟ کیا دسمبر کے بعد اس کو بند کر دیا جائے؟ جہاں تک میری ناچیز رائے کا تعلق ہے، اگر یہ بھی کرنا پڑے تو کچھ ہرج نہیں۔ قرآن کی خدمت کی ایک ہی راہ نہیں ہے ہزاروں راہیں ہیں بلکہ ہمارے عقیدہ میں تو یہ راہ صنعائے قلوب کی نکالی ہوئی ہے۔ اور محض ذہنی تماشہ گری اور دماغ اور نفس کی حیلہ جوئیوں کا ایک مظاہرہ ہے۔ قرآن کی خدمت ہر شخص کر سکتا ہے اور ہر بھیس اور ہر شکل میں کر سکتا ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ مسجد کا منبر اور اخبار کا دفتر ہی ہو۔ ایک لکڑہارا اپنے جنگل میں، ایک ہلواہا اپنے کھیت میں، ایک تاجر اپنی دوکان میں اسطرح قرآن کی خدمت کر سکتا ہے جس طرح ایک مدرس اپنے مدرسہ میں، اور ایک شیخ اپنی خانقاہ میں بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ چرواہوں نے قرآن کی جو خدمت کی وہ شیخ الاسلاموں سے بن نہ آئی۔ پس اگر الاصلاح بند ہو جائے تو کچھ غم نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے تو یہی ہو۔ وہ اپنی کتاب کی خدمت کی اس سے زیادہ بہتر شکل نکالے گا۔ اور یقیناً وہ راہ جو خدا کی نکالی ہوئی ہوگی نفس کی دراندازیوں سے زیادہ مامون ہوگی۔

---

لیکن الاصلاح کا معاملہ کسی ایک شخص کی ذات کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ سب سے پہلے ان لوگوں کا معاملہ ہے جنھوں نے اتنے عرصہ تک اس کو بغیر کسی آرزوئے مزد و صلہ کے محض قرآن کی خدمت کیلئے جاری رکھا ہے اور اپنا روپیہ خرچ کیا ہے۔ پھر ان رفقاء کا معاملہ ہے جو سوا دو برس سے مسلسل، بغیر کسی شائبۂ خواہش منفعت کے اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا بہترین حصہ اس پر صرف کر رہے ہیں علاوہ ازیں ان صدہا قدر دانوں کا معاملہ ہے جو اس کی دل سے قدر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ باقی رہے، اگرچہ ان کو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ ایثار کرنا پڑے۔

آج ان تمام بزرگوں، دوستوں اور ہمدردوں سے نہایت درد کے ساتھ درخواست ہے کہ اگر



وہ الاصلاح کو کتاب الٰہی کی خدمت کیلئے کچھ مفید پاتے ہیں تو دسمبر کے آنے سے پہلے پہلے وہ اسکو اس قابل کر دیں کہ وہ اپنے ضروری اخراجات کی خود کفالت کر سکے۔ اور کسی وقتی اعانت کے حصول کیلئے دست طلب نہ دراز کرنا پڑے۔ بلا شبہہ یہ کام مشکل ہے۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے گی کہ اس دور میں ایسی شکل کیونکر ممکن ہے کہ الاصلاح جیسا خشک اور مذہبی رسالہ ایسا حلقہ پیدا کرے کہ اپنے مصارف کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔۔ لیکن الاصلاح کے خریداروں کا رجسٹر دیکھنے کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ یہ کام نہایت آسان ہے۔ اسقدر آسان کہ آج یہ شکل اختیار نہ کیگئی اور خدانخواستہ اس غفلت کے نتائج سامنے آگئے تو الاصلاح کے تمام قدردانوں کو افسوس ہوگا کہ محض تھوڑی سی بے پروائی سے قرآن کی ایک مفید خدمت کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔

وہ شکل کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ

**الاصلاح کا ہر خریدار صرف ایک خریدار مہیا کردے۔**

یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے۔ تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد الاصلاح اپنے ضروری مصارف خود پورے کریگا اور اس سے زیادہ کے لئے ہم خواہشمند نہیں۔ یہ اپیل الاصلاح کے ہر قدردان سے ہے اور یہ شاید پہلی زحمت ہے جو الاصلاح اپنے قدر دانوں کو دے رہا ہے۔ امید ہے لوگ اس کی طرف توجہ فرمائیں گے۔

---

**دائرہ حمیدیہ کی مطبوعات** دائرہ حمیدیہ کی طرف سے دو سالوں کے اندر استاذ امامؒ کی تفسیر...... نظام القرآن کے مندرجہ ذیل اجزا کتابی صورت میں چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ تفسیر سورہ اخلاص قیمت ۳ر تفسیر سورہ کوثر ۳ر تفسیر سورہ لہب ۶ر تفسیر سورہ فیل ۸ر تفسیر سورہ کافرون ۳ر تفسیر سورہ عصر ۶ر اس سلسلہ کی تازہ ترین خدمت تفسیر سورہ والعصر کی اشاعت ہے جو مولاناؒ کی تفسیری خصوصیات

کی بہترین حامل ہے۔ یہ تمام اجزا اردو میں ہیں اور باوجود دقیق مباحث پر مشتمل ہونگے، اعتدال، صاف اور آسان زبان میں ہیں کہ عام اردو دان طبقہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ان اردو ترجموں کی اشاعت کا سلسلہ برابر جاری رہے گا، اور انکی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ مولانا کے معارف سے فائدہ اٹھانیوالوں کا حلقہ کم از کم اتنا وسیع ہو جائے کہ ان کی دوسری اہم تصنیفات جو ابتک مسودوں میں بند ہیں عرصۂ اشاعت میں آسکیں۔ ہم لوگوں کے دل میں ابتدا سے یہ خواہش مخفی رہی ہے کہ ہم جلد سے جلد اس قابل ہو جائیں کہ اگر لوگ اس کار خیر میں ہماری کچھ مدد کریں تو ہم بھی ان کی کچھ خدمت کر سکیں تاکہ ان کے عطیے ہماری محنت کی مزدوری ہوں، طبیعت پر بار نہ ہوں، پس اب جو حضرات دائرہ کی خدمت کرنا چاہیں ان کے لئے عمدہ سبیل یہ ہے کہ وہ دائرہ کی مطبوعات خرید کر ہماری مدد کریں۔ یہ مدد ہمارے لئے اور ان کے لئے دونوں کے لئے موجب خیر و برکت ہوگی۔

---

ہم لوگوں نے ایک اور عمدہ چیز چھاپی ہے۔ کتاب امثال آصف الحکیم۔ یہ انگریزی کی مشہور کتاب ( [illegible] ) کے منتخب قصص کا عربی میں ترجمہ ہے اور ترجمہ مولانا کے قلم سے ہے، انگریزی غالباً عربی نصاب تعلیم کی اصلاح کی اسکیم کے ماتحت اس کو عربی کے ابتدائی درجوں میں بطور ریڈر پڑھانے کے لئے تیار کیا تھا۔ ہم لوگوں کو اپنے مدرسہ کے ابتدائی درجوں کے لئے ایک عمدہ ریڈر کی عرصہ سے تلاش تھی۔ مصر وغیرہ کے مدارس میں جو ریڈریں پڑھائی جاتی ہیں وہ منگوا کر دیکھی گئیں لیکن یہاں کے نصاب سے ان کا مزاج موافق نہ ہوا۔ یہاں اس امر پر لوگوں کو اصرار ہے کہ جو چیزیں پڑھائی جائیں ان کی زبان ایسی ہو کہ طلبہ کا مذاق قرآن کے اسالیب اور اسکی زبان سے مانوس ہو۔ جدید مصری عربی میں یہ بڑا عیب ہے کہ وہ اس چیز سے منحرف کر نیوالی ہے۔ پس ان ریڈروں کو یہاں چلانا ناموزوں ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ مولانا کے مسودات میں یہ چیز مل گئی اور اس مقصد کے لئے نہایت موزوں معلوم ہوئی۔



دائرہ حمیدیہ نے اس کو خاص اہتمام سے چھاپ کر شائع کیا ہے۔ قیمت ۸؍ ہے۔ عربی مدارس کے اساتذہ و طلبہ اسکو ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ نہایت مفید پائیں گے۔

---

مولانا کی عربی تصنیفات کی اشاعت کے سلسلہ میں افسوس ہے کہ ہم ابتک کچھ نہ کر سکے۔ جو احباب و مخلصین ابتدا سے انہی کے لئے بے چین ہیں وہ شکایتوں اور تقاضوں کے بعد شاید آزردہ ہو کر اب خاموش ہو رہے۔ لیکن ہمارے سامنے حالات ایسے رہے ہیں کہ کچھ نہ کر سکنے پر افسوس تو ضرور ہے لیکن الحمد للہ کوئی ندامت نہیں ہے۔ احباب و مخلصین یقین کریں یہ قنطرۃ المجاز اسی حقیقت تک پہنچنے کیلئے تعمیر کیا گیا ہے اور انشاء اللہ بہت جلد ان چیزوں سے دامن چھڑا کر وہیں پہنچنا ہے۔ لیکن عجلت کا بالکل موقع نہیں ہے۔ مولانا حمید الدین کے معارف کو اردو میں پڑھنے والے ابھی پیدا نہیں ہوئے عربی میں اور بھی ہندوستان میں کون پڑھے گا۔ زمانہ کا مذاق بالکل دوسرا ہے۔ غالب مرحوم کو شکایت تھی اور بالکل بجا شکایت تھی کہ

جانوں نیک ہوں یا برا ہوں پر صحبت مخالف ہے — جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

یہی حال اپنا ہے۔ تاہم کر ہمت مضبوط ہے۔ انشاء اللہ جلد مولانا کی بعض تصنیفات شائع ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں پہونچیں گی۔ جمهرة البلاغہ جو بلاغت قرآن پر مولانا کی بے نظیر تصنیف ہے، حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ ملاحظہ فرما رہے ہیں اور یہ اسکی طبع و اشاعت کی فکر کا گویا دیباچہ ہے۔ مخدومی حاجی رشید الدین صاحب انصاری مدظلہ نے اسکی اشاعت کیلئے ایک رقم بھی عنایت فرمائی ہے۔

ہاں ایک اور تجویز سامنے ہے لیکن اس کے بابت الاصلاح کے قارئین کا مشورہ ضروری ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ سال میں الاصلاح کی ایک اشاعت مولانا کی کسی عربی تصنیف کی اشاعت کیلئے مخصوص

کردیا جائے۔ اس طرح ہر سال مولانا کی کوئی نہ کوئی اہم تصنیف الاصلاح کے واسطے سے شائع ہوجائیگی۔ جو قارئین عربی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ان کو اس تجویز سے دلچسپی نہ ہوگی، لیکن ایک بڑے فائدہ کیلئے وہ تھوڑا سا ایثار ضرور کریں گے۔ اگر قارئین نے اس کو منظور کیا تو سال کے آخری پرچہ میں مقدمہ تفسیر نظام القرآن شائع کردیا جائے گا جسمیں مولانا نے اپنی تفسیر کے اصول و مبادی پر مفصل بحث فرمائی ہے، اسکے بعد تفسیر بسم اللہ، تفسیر فاتحہ اور تفسیر سورہ بقرہ علی الترتیب سال بسال شائع ہوتی رہیں گی۔

---

**مبارکباد اور شکریہ!** ہمارے محترم مولوی عبدالغنی صاحب انصاری اسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس نائب صدر دائرہ حمیدیہ اپنے عہدہ میں ترقی کرکے اب کمشنر ہورہے ہیں۔ یہ ان کی راہ کی ایک قدرتی منزل تھی جس تک ان کو پہنچنا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ وہ پہنچ گئے۔ یہ امر چنداں قابل اہتمام نہیں۔ کہنے کی بات یہ ہے کہ زمانہ کی روش عام کے خلاف، دنیاوی سرفرازیوں اور عزتوں کی چکا چوند نے الحمد للہ ان کو ذرا بھی متاثر و مرعوب نہیں کیا ہے۔ ان کی قابلیت، متانت، رزانت اور شرافت ہماری قوم میں ضرب المثل رہی ہے، لیکن ان سب خوبیوں پر ان کی قومی خدمتوں میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ مدرسۃ الاصلاح کے وہ ابتدا سے مربی رہے ہیں۔ ان کا کوئی والا نامہ قوم کی اصلاح و ترقی کے جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔ انکے ایک تازہ گرامی نامہ میں انھوں نے ایک گرانقدر عطیہ سے مدرسہ کی امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔ دنیاوی عہدوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ اگر روحانی مدارج بھی بڑھتے رہیں تو اسی کو نور علی نور کہتے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں شکریہ اور مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

---

**برما کے لئے الاصلاح کا چندہ کم کردیا گیا** محصول ڈاک کے اضافہ کیوجہ برما کیلئے الاصلاح کی قیمت للعہ سے صہ کردی گئی تھی لیکن اب چونکہ محصول میں کسی قدر تخفیف ہوگئی ہے اسلئے چندہ بجائے صہ کے للعہ کردیا گیا ہے۔ - منیجر



# معارف قرآن

## تفسیر سورۂ مرسلات

۴

تالیف استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ (۴۱) وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ (۴۲) كُلُوا
وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۴۳) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۴۴)
وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۵) كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ (۴۶)
وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۷) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ (۴۸)
وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۹) فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (۵۰)

---

بے شک پرہیزگاروں کو سایہ ہوں گے، اور نہریں۔ اور جیسا ہی چاہے میوے۔ مزے سے کھاؤ پیو اپنے اعمال کے بدلے۔ بھلائی کرنیوالوں کو ہم یونہی دیا کرتے ہیں۔ اس دن منکروں کی خرابی ہے۔ چند روز کھا لو اور مزے کرلو تم تو ٹھہرے گنہگار۔ اس دن منکروں کی خرابی ہے۔ اور جھکنے کو ان سے کہا جائے تو نہیں جھکتے۔ اس دن منکروں کی خرابی ہے۔ اب اس سے بڑھکر کیا بات ہے جسے مانیں گے۔

# الفاظ کی تفسیر اور جملوں کی تاویل

(فی ظلال) یعنی سایوں کے درمیان۔ قرآن مجید میں یہ مضمون اور یہ اسلوب بہت آیا ہے۔ مثلاً
وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ وَّفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ
اور مقصود اس سے ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے وہ گھرے ہوں گے۔ یہی اسلوب برج بن مسہر الطائی نے استعمال کیا ہے۔

فبتنا بین ذالک وبین مسک فیا عجبا لعیش لو ید وم

پس ہم نے اس میں اور مشک کی خوشبوؤں میں شب بسر کی۔ کیا مزے کی زندگی تھی، کاش ہمیشہ رہتی۔

(ھَنِیْئًا) فعل متقدم سے جو مفعول مفہوم ہو رہا ہے اس سے حال پڑا ہوا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ "فکلوہ ھنیئا مریا" جس میں ذوالحال واضح ہے۔ ذوالحال مقدر سے حال لانا عربی زبان کا ایک معروف اسلوب ہے۔ مثلاً مسافر کے لئے کہیں گے۔ راشدا مھدیا

(واذا قیل لھم) "اذا" کا عام استعمال مستقبل کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ کہ جب حشر میں سب لوگ اکٹھے کئے جا چکیں گے تو پروردگار کے حضور سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو جن لوگوں نے دنیا میں سجدہ نہ کیا ہوگا، وہ اس دن سجدہ نہ کر سکیں گے۔

| | |
|---|---|
| یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ | جس دن کہ مچل پڑے گی اور وہ بلائے جائیں گے |
| اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝ | سجدے کیلئے پس سجدہ نہ کر سکیں گے اور ان کی نگاہیں |
| خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ | جھکی ہوں گی۔ ذلت چھائی ہوئی ہوگی اور وہ سجدہ |
| وَقَدْ كَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ | کے لئے بلائے جاتے تھے اور اس وقت بالکل |



| | |
|---|---|
| وَهُمْ سٰلِمُوْنَ | صحیح و سالم تھے۔ |

پس آیت کی تاویل یہ ہوگی کہ وہ فیصلے کے دن سجدہ نہ کر سکیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ "اذا" عادت کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے تاویل یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں نہیں جھکتے۔ اس کے بعد "ویل یومئذ للمکذبین" سیاق سے اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ چونکہ وہ دنیا میں نہیں جھکے تو وہ آخرت میں بھی نہ جھک سکیں گے اور یہ امران کیلئے باعث خرابی ہوگا۔

یہ محض الفاظ کا فرق ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے دونوں تاویلوں کا مآل ایک ہی ہے۔

(بعدہ) یعنی اس بات کے بعد جو بہترین دلائل اور واضح ترین براہین کے ساتھ ان کو معاد اور خدا پرستی کی تلقین کر رہی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ پس اللہ اور اس کی آیات سے بڑھکر کیا بات ہے جس پر ایمان لائیں گے۔ پس بعدہ کا مفہوم وہی ہے جو فبای حدیث سے مترشح ہو رہا ہے۔ یعنی اگر اس بات پر ایمان نہیں لاتے تو آپ کونسی بات اس سے زیادہ واضح اور دلوں میں گھر کرنیوالی ہوگی کہ اس پر ایمان لائیں گے۔

بعض لوگوں نے بعدہ سے یہ مفہوم سمجھا ہے کہ اس دن کے بعد لیکن ہمارے نزدیک یہ احتمال ضعیف ہے۔ اس دن تو وہ بہرحال ایمان لائیں گے۔ یہ بات عقلاً بھی واضح ہے اور قرآن بھی اس پر شاہد ہے۔ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۔ اگر مقصود یہ ہوتا تو یہ فرمایا جاتا کہ فلای شیٔ بعدہ یومنون (اس دن کے بعد کس فائدہ کے لئے ایمان لائیں گے) ممکن ہے اس مفہوم کی تائید میں آیت ذیل سے دلیل لائی جائے۔

| | |
|---|---|
| وَاَنْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ | اور شاید کہ ان کی اجل قریب آ لگی ہو تو اس کے |
| اَجَلُهُمْ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ | بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ |

اس کے بعد یعنی اجل کے آجانے کے بعد۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ دلیل واضح نہیں ہے۔ اولاً تو یہاں 'اجل' کا لفظ صریحاً مذکور اور پاس ہی موجود ہے جس کی طرف ضمیر کو بے تکلف لوٹایا جا سکتا ہے۔ ثانیاً یہاں بھی کچھ ضروری نہیں کہ یہ مطلب لیا جائے۔ سیاق کلام نہایت واضح طور پر ایک دوسری ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ اوپر کی آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان لوگوں کو ملامت کی جا رہی ہے جو کتاب اللہ اور انبیاء و رسل کے منکر ہیں۔ پس اس مضمون کے اعتبار سے وہی تاویل موزوں ہوگی جو ہم نے اختیار کی۔ سلف کا مذہب بھی یہی ہے چنانچہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تحذیر کے بعد اب وہ کونسی تحذیر و تخویف ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ اگر اس کتاب کی تصدیق سے ان کو انکار ہے تو اب کونسی کتاب ہے جس کی وہ تصدیق کریں گے:

بعض دوسرے مفسرین کا بھی یہی مذہب ہے۔ پس اس آیت سے جو ثبوت پیش کیا گیا ہے وہ ہمارے نزدیک بہت زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے۔

## آیات کی تاویل اور ان کا نظم

(كُلُوْا وَاشْرَبُوْا) میں غایب کو مشہود و مصور کرنے کا وہی اسلوب ملحوظ ہے جو 'انطلقوا' میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ میں دو تاویلوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس کو پچھلے خطاب سے بالکل متصل مانا جائے، اور ان آیات کے سیاق و مفہوم میں لیا جائے جو اکثر آخرت کی نعمتوں کے ذکر کے بعد وارد ہیں، مثلاً فرمایا۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ — یہ تمہارے لئے بدلہ ہے اور تمہاری کوشش
سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا — مقبول ہوئی۔



دوسری جگہ ہے

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا — اور یہ جنت ہے جس کے تم وارث ہوئے ہو
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ — اپنے عمل کے بدلے میں۔

دوسری یہ کہ اس کو التفات اور خطاب کے مفہوم میں لیا جائے اور اس کے نظائر بھی قرآن مجید میں بہت ہیں اور نظائر ہی پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔

آیت ذیل یہاں بطور مقابلہ ہے۔ یعنی جبکہ نیکوکاروں کو ان کے اعمال کے صلہ میں نعمتیں و رحمت ہوگی ان منکروں کے لئے عذاب ہوگا۔ اور یہ عذاب ان کے لئے دوہرا ہو جائے گا۔ ایک طرف تو عذاب کی ذلت ہوگی۔ دوسری طرف مومنین کی کامیابی پر حسرت و اندوہ۔ اور یہ غم بالائے غم ہے۔

(كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ) اس آیت میں کافروں سے خطاب ہے اور اس میں بلاغت کے بہت سے اسالیب اکٹھے ہو گئے ہیں۔

(۱) اوپر مومنین کی نعمتوں کا ذکر تھا۔ پس اس آیت میں گویا اس کی مقابل حالت کا بیان ہوا۔

(۲) اس میں جلد عذاب آنے کی دھمکی ہے۔

(۳) دنیا کی اس حقیر پونجی پر ان کو جو گھمنڈ ہے اس پر ملامت ہے۔ گویا ان کے لئے عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ صرف تھوڑی سی مہلت دیدی گئی ہے کہ جو کھانا پینا چاہتے ہیں کھا پی لیں بالآخر یہ حلق کی پھانس ہوگا۔

(۴) اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ روز جزا پر دلیل ہے۔ یعنی چند روز کھا پی لو۔ تمہارا مجرم ہونا طے پا چکا ہے۔ بس ضرور ہے ایک دن بازپرس اور بدلہ کا آئے۔ ایک جگہ اس مضمون کی وضاحت ہو گئی ہے۔ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ۔ کہدو چند روز مزے کر لو، کیونکہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس کے بعد آیت ویل آئی ہے جس کا مقصود وعید کی شدت اور قطعیت کا بیان ہے۔

(وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ) یہ اپنی دونوں تاویلوں کے اعتبار سے اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ

کا بیان ہے۔ کیونکہ جو دنیا میں اپنے پروردگار کے حضور نہ جھکا وہ حقیقت میں بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوا۔ اور یہ فریضۂ خدا کے سامنے پستی و فروتنی کا اظہار ہے اور سب سے بڑی معصیت خدا سے استکبار۔ اور یہ تکذیب و انکار کا لازمی نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ | پس نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ انکار کیا اور |
| كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى | منہ موڑا پھر اکڑتا ہوا اپنے لوگوں کی طرف چلا۔ |
| اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى، اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى | تیرے لئے ہلاکی ہے پھر ہلاکی ہے، اور پھر ہلاکی |
| ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى | ہے اور پھر ہلاکی ہے۔ |

دوسری تاویل کے اعتبار سے مضمون یوں ہوگا کہ پہلے فرمایا کہ تم آج مجرم ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کا جرم قیامت کے دن کھلے گا۔ جب وہ جھکنے کے لئے بلائے جائیں گے لیکن جھک نہ سکیں گے۔ اس کے بعد آیت ذیل کا مفاد یہ ہوگا کہ یہ ویل ان کے عدم رکوع کا نتیجہ ہوگا۔ اور یہ مضمون آیت کی دونوں تاویلوں کے لحاظ سے بن جاے گا۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ یہ خاتمہ کی ایک جامع آیت ہے جس نے ان تمام مضامین کی طرف انگلی اٹھا دی ہے جو از قبیل دلائل و از قسم ترغیب و ترہیب اوپر بیان ہوئے تھے۔ اور اسلوب استفہام میں یہاں متعدد نکتے مضمر ہیں۔

(۱) اس سے اس کلام کی عظمت و منزلت اور تبلیغی اعتبار سے اس کی جامعیت واضح ہوتی ہے۔

(۲) ان کے ایمان کی طرف سے ناامیدی مترشح ہوتی ہے۔

(۳) ان کے انکار پر تشنیع ہے۔

پھر آیت کے موقع سے یہ بات نمایاں ہے کہ اتمام حجت کے بعد یہ تودیع کا آخری جملہ ہے۔ اس اسلوب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ مثلاً آخر سورہ طارق میں فرمایا۔



| | |
|---|---|
| وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ | شاہد ہے آسمان پر نگار اور زمین پر شگاف کر |
| ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ | یہ دو ٹوک بات ہے اور مسخری ہنسی نہیں، وہ چل |
| وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ | رہے ہیں ایک چال اور میں چل رہا ہوں ایک اور |
| كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ | چال۔ سو چھوڑ دے کافروں کو ذرا دیر کو |
| اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا | . . . . . . . . . . . . . . . |

سورہ زخرف کے آخر میں فرمایا

| | |
|---|---|
| فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ | پس ان سے درگذر کرو اور کہو سلام، وہ |
| فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ | جلد جان لیں گے۔ |

اسی اسلوب کے مطابق خاتمہ کی آیت سے یہاں بھی واضح ہے کہ جب اس بات پر ایمان نہیں لاتے تو اب وہ کسی چیز پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پس ان کو چھوڑ دو، تھوڑے دن کھا پی لیں اور مزے اڑا لیں۔ مکذبین سے متعلق ہم نے اوپر تاویل کے جو دو پہلو بیان کئے تھے خاتمہ کی آیت نے اس دوسرے پہلو کو واضح کر دیا کہ یہی منکرین ہیں جو اللہ کے کلام کا انکار کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دراصل قرآن کا انکار نتیجہ ہے ان کے انکار قیامت اور نماز اور بندگی سے بے پروائی کا۔ اور یہ مضمون قرآن مجید میں بار بار بیان ہوا ہے۔ اور اس کے بعض شواہد دوسری فصل میں بیان ہوئے ہیں۔

هذا آخر ما تيسر لنا ذكره في تفسير هذه السورة والحمد لله رب العالمين والصلوٰة على سيدنا محمد وآله اجمعين

# ذبیح کون ہے؟

## ۴
## چوتھی دلیل ـــــ مروہ کی تحقیق

۸۔ واقعہ ذبح کے سلسلہ میں، تورات کا یہ بیان پڑھ چکے ہو کہ

"تیسرے دن ابراہیم نے نگاہ اٹھائی اور قربانی کی جگہ کو دور سے دیکھا۔"

یہود کا خیال ہے کہ یروشلم میں وہ جگہ ہے جہاں ہیکل سلیمان ہے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں مسیح کو سولی دی گئی تھی۔ لیکن ان کے محققین کے نزدیک ان کا یہ دعویٰ بالکل بے اصل ہے۔ اس باب میں ان کے جو اختلافات ہیں ان کو ہم انہی کے ایک محقق عالم جے ڈبلیو کولنزو J. W. Colenso کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ اس نے اس مقام کے بارہ میں، جس کا نام انھوں نے مریا بتایا ہے، تمام اختلافات نقل کئے ہیں اور اخیر میں خود محاکمہ کرکے ان کی تمام تحریفات کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

اختلافات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

| وہ مقامات جہاں توریت میں یہ نام آیا ہے۔ | نسخہ سبعینیہ کی روایت | نسخہ عبرانیہ کی روایت |
|---|---|---|
| پیدائش (۲۲ : ۲) | بلند زمین | ملک مورہ |
| ″ (۱۲ : ۶) | اونچے بلوط | میدان مورہ |
| تثنیہ (۱۱ : ۳۰) | اونچے بلوطوں کے قریب | میدان مورہ کے قریب |
| قضاۃ (۷ : ۱) | جبل مورہ کے پاس | جبل مورہ کے پاس |

پھر ایک ہی نسخہ کی ایک ہی آیت کا ترجمہ مختلف مترجمین نے مختلف کیا ہے۔ مثلاً نسخہ سبعینیہ میں



پیدائش (۲۲ : ۲) میں "بلند زمین" ہے ........ اقیلا کے ترجمہ میں "نمایاں سرزمین"

........ اور سماخوس کے ترجمہ میں "رویا کی سرزمین" ہے۔

جس طرح اس لفظ کے ترجمہ میں اختلاف ہے اسی طرح اس کو لکھے بھی مختلف شکلوں میں ہیں۔ فصل کے آخر میں ہم اس کی تفصیل کریں گے۔ ان اختلافات کو بیان کرنے کے بعد کولنزو نے ان کی تحریف پر بحث کی ہے اور دو واضح دلیلوں سے ان کے خلاف حجت قائم کی ہے۔

۱۔ یہ نام ہیکل کی جگہ کے لئے کسی صحیفہ میں نہیں آیا ہے۔ کولنزو کے الفاظ یہ ہیں: "یہ نام سلیمان کے بعد کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ جس پہاڑ پر ہیکل کی تعمیر ہوئی انبیا کے صحیفوں اور مزامیر وغیرہ میں اس کا نام صیہون لیا گیا ہے۔ ہیکل کی جگہ کے لئے مریا کا لفظ کہیں نہیں آیا۔"

۲۔ اس مقام کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ کسی طرح ہیکل کی جگہ کی خصوصیات پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ہمارے نزدیک یہ دلیل نہایت قوی ہے۔ کولنزو نے لکھا ہے کہ تورات میں ایک مقام کو دور سے دیکھنے کا ذکر ہے جس کی طرف ابراہیم نے نگاہ اٹھائی، حالانکہ یہاں کوئی جگہ ایسی نہیں ملتی جس پر یہ بیان منطبق ہو سکے۔ جس جگہ کو یہود قربانی کی جگہ قرار دیتے ہیں یعنی جبل ہیکل یا جبل موریاہ، قطع نظر اس سے کہ اس تسمیہ کے سوا ان کے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں، معاملہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ اسی وقت نظر آتا ہے، جب ایک شخص مشرقی جانب، وادی ہنوم سے ہو کر وہاں پہنچے، اس وقت وہ ہیکل کو اوپر سے دیکھ سکے گا۔ اس کے بعد اس کی تائید میں اس نے محقق اسٹانلی کی مندرجہ ذیل تحقیق نقل کی ہے۔

"صبح کے وقت وہ (ابراہیم علیہ السلام) بیر سبع کے خیموں سے نکل کر روانہ ہوئے، اور اس مقام کی طرف گئے جہاں، اللہ تعالیٰ نے ان کو جانے کا حکم دیا تھا۔ یہود مدعی ہیں کہ یہ مقام یروشلم میں جبل موریا پر ہے لیکن میرے نزدیک یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ یہ مقام قبر مقدس کے کنیسہ کے قریب ہے۔ لیکن یہ دعویٰ پہلے دعویٰ سے بھی زیادہ بے بنیاد ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ یہ مقام مکہ میں جبل عرفات

پرہے، ان کا دعویٰ سب سے زیادہ عجیب اور بے حقیقت ہے۔ سب سے زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام کو جبل جرزیم پر تلاش کیا جائے۔ وہ شکلاً بھی قربان گاہ سے بہت ملتا جلتا ہوا ہے"۔

اس محقق نے مسلمانوں کی طرف جو دعویٰ منسوب کیا ہے کہ وہ اس مقام کو جبل عرفات پر بتاتے ہیں، محض بے خبری پر مبنی ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں ایک مسلمان بھی جبل عرفات کے قربان گاہ ہونے کا قائل نہیں ہے۔ رہا جبل جرزیم تو یہود میں ایک فرقہ سماریہ کے نام سے موسوم ہے، وہ اس کو قربان گاہ قرار دیتا ہے۔ ان کی تورات بھی اس تورات سے بالکل مختلف ہے جس کو عام یہود مانتے ہیں۔ مسیحی دوسرے یہودیوں کے مقابل میں ان کو اپنے سے زیادہ اقرب سمجھتے ہیں۔

ان اقوال کو نقل کرنے سے مقصود محض یہ دکھانا ہے کہ قربانی کی جگہ جو مورہ کے نام سے موسوم ہے، اسکی تعیین کے بارہ میں ان لوگوں میں سخت اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے تو سرے سے اس نام کو غائب ہی کر دیا اور 'اونچے بلوط' یا 'نمایاں سرزمین' یا 'ارض رویا' سے اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔ ایک جماعت نے نام کو تو باقی رکھا، لیکن اس کے تلفظ میں طرح طرح کی تحریفات کر دیں۔ مثلاً مورہ، مریاہ، موریاہ اور یہ حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی ان کی وہی خصوصیت ہے جس کی طرف قرآن مجید نے جا بجا اشارہ کیا ہے۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (آل عمران)

اب ذیل میں ہم اس پر مفصل بحث کرکے بتانا چاہتے ہیں کہ اس مقام کا اصلی نام کیا ہے اور اس سے کونسی جگہ مراد ہے۔

۱- اس میں ذرا شبہہ نہیں کہ اصلی نام مروہ ہے، میم اصلی ہے اور 'ر' 'واؤ' پر مقدم ہے، مروہ چکنے اور چمکدار پتھر کو کہتے ہیں۔ کلام عرب میں یہ لفظ بہت آیا ہے۔

جن مترجمین نے اس کا ترجمہ "نمایاں" "رویا" اور "بلند" وغیرہ کیا ہے۔ ان کے ترجموں سے



کم از کم اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ وہ اس لفظ کو مورہ وغیرہ نہیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ تحریف کرنے والوں نے اس کو بدلا ہے۔ کیونکہ مورہ کے اشتقاق کے بارہ میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اصل یا تو 'یرا' ہے یا 'یرہ'۔ 'یرا' کے معنی خوف اور تعجب کے ہیں، پس مورہ کے معنی خوف یا سبب خوف کے ہوں گے۔ 'یرہ' کے معنی رمی اور سقی کے آتے ہیں اور اس مادہ کے لحاظ سے مورہ کے معنی، تیر انداز اولین بارش اور استاد کے آتے ہیں۔ پس اگر یہ لفظ اصل میں مورہ ہوتا، جیسا کہ یہ تحریف کرنیوالے کہتے ہیں تو ابتدائی مترجمین اس کا ترجمہ 'نمایاں' 'رویا' اور 'بلند' وغیرہ نہ کرتے۔ صاف واضح ہے کہ ان کو یہ لفظ 'مروہ' کی صورت میں ملا تھا۔ لیکن چونکہ اس کا مادہ ان کے لغت میں موجود نہ تھا اس لئے ان کو گمان ہوا کہ یہ 'مراۃ' ہے، کیونکہ عبرانی میں واؤ، الف سے اکثر بدل جایا کرتا ہے۔ پس اس کو انھوں نے اپنی زبان کے قواعد کے مطابق 'راہ' سے مشتق سمجھ لیا اور 'راہ' کے معنی ان کی زبان میں رویت اور نظر وغیرہ کے آتے ہیں۔ پس اس اشتقاق کے لحاظ سے انھوں نے اس کے معنی، نظر، نمایاں اور رویا وغیرہ کے قرار دے لئے۔ الغرض یا تو ان کو یہ لفظ مروہ کی صورت میں ملا تھا یا مراۃ کی۔ دوسری شکلیں بعد کی گھڑی ہوئی ہیں۔

بعض مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مختلف صورتوں کو باقی رکھا ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 'واؤ' کو اصل مادہ کا جز قرار دیتے ہیں اور میم کو لفظ کے شروع میں اصلی میم کی حیثیت سے باقی رکھنے پر متفق ہیں اور اگر اصل لفظ اور اس کی مختلف متغیر شدہ صورتوں میں مقابلہ کیا جائے تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اصل لفظ صرف مروہ ہو سکتا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسری شکل ممکن نہیں۔

اختلاف کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اصل عبرانی میں حرکات کی علامتیں نہ تھیں۔ یہ متاخرین کی ایجاد ہے۔ پھر ان میں حفاظ بھی نہ تھے جو صحیح قرأت کو محفوظ رکھتے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے

حرکت کو حرف کی اور حرف کو حرکت کی صورت میں بدل کر تحریف و تغیر کا ایک وسیع دروازہ کھول دیا۔

یہ لفظ بھی ابتدا میں حرکات سے بالکل مجرد لیکن بیان قرأت کے ساتھ لکھا گیا ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ تحریف کے شوق میں یہود قرأت میں مد و تشدید کے اضافہ کے معاملہ میں بہت بے باک تھے۔ تاکہ بعد میں انہوا ئوں کے لئے تبدیلی اور تحریف کے دروازے برابر کھلے رہیں۔

اب اس لفظ کی اصل صورت اور اس کی تبدیل شدہ صورتوں پر غور کرو۔

| اصل لفظ | تبدیل شدہ صورتیں | لفظ کی مختلف قرأتیں |
| --- | --- | --- |
| מרה مروہ | (۱) מרה (مریہ) | مُرِیَاہُ |
| | (۲) מוריה (موریہ) | موریاہ |
| | (۳) מורה (مورہ) | (مُورِہ) |

اب ان تبدیلیوں پر غور کرنا چاہئے جو ان میں واقع ہوئی ہیں۔ پہلی صورت میں یہ ہوا کہ واؤ عبرانی میں اکثر ی سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً ולד (ولد)، ילד (یلد)، بمعنی جوان۔ نیز הוה (هوه) اور היה (خیہ)، بمعنی آفت۔ اور یہ دراصل جائے حلق سے تھا لیکن ان لوگوں نے اسے خ سے بدلیا چنانچہ ایسے بہت سے کلمے ہیں۔ جو مادے عربی اور عبرانی میں مشترک ہیں، ان میں اکثر پاؤ گے کہ جہاں عربی میں واؤ ہے وہاں عبرانی میں ی ہوگیا ہے۔ مثلاً دلو اور دلی بالخصوص الفاظ کے شروع میں تو یہ بات بہت عام ہے مثلاً ولد، یلد ورد، یرد، وقر، یقر اور یہ بات یا تو سہولت کی وجہ سے ہے یا اس مشابہت کی وجہ سے ہے جو عبرانی رسم الخط میں و اور ی میں ہے اور جس کو تم اوپر دیکھ چکے ہو۔

دوسری صورت میں یہ تغیر ہوا کہ انھوں نے سمجھا پیش پر ضمہ ہے پھر اس کو انھوں نے ایک مستقل حرف قرار دیدیا۔ اور یہ بات عبرانی الفاظ میں بہت عام ہے۔ مثلاً היאר (یائر) اور היאור (یاور)، نیل اور عام نہر کے معنی میں۔ نیز חצר (حصر) اور חצור (حصور) بمعنی احاطہ



اسی اصول پر انھوں نے مریہ کو موریہ کردیا۔

تیسری صورت میں واؤ کو ر پر مقدم کردیا ہے اور اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ اس عام طریقہ قلب و تغیر کی وجہ سے جس کے وہ عبرانی الفاظ کے باب میں عادی ہیں۔ مثلاً جرو سے جور، حنی سے نحیف، علو سے یعل، کمل سے کلم۔ پس اسی طریقہ پر مروہ کو الٹکر مورہ کردیا۔ یا اس تشابہ کی وجہ سے جو دونوں حرفوں ו اور ר یعنی واؤ اور ر میں ہے، تصحیف ہوگئی ہو۔

ہمارے نزدیک یہ دوسری وجہ مستبعد نہیں ہے۔ جو شخص بالارادہ یا بے ارادہ تحریف کرنا چاہے اس کے لئے اس طرح کا اشتباہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس قسم کے اشتباہ کی مثالیں ان کی زبان میں بہت ملتی ہیں۔ مثلاً لفظ برص کو ان لوگوں نے بوص کردیا اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ واؤ اور ر کی کتابت ان کی زبان میں بالکل ملتی جلتی ہوئی ہے۔

۲۔ اب صرف اس سوال پر غور کرنا باقی رہ گیا کہ اس سے مراد کونسا مقام ہے؟ فصل کے آغاز میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ عام یہود اس سے وہ مقام مراد لیتے ہیں جہاں ہیکل سلیمان واقع ہے اور نصاریٰ مدعی ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں قبر مقدس کا کنیسہ ہے۔ لیکن ان کے علماء اور محققین نے خود ان دعاوی کی لغویت واضح کردی ہے اس لئے ہم کو ان کی تردید میں وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہگیا اسٹانلی کا قول کہ یہ مقام کوہ جرزیم پر ہے تو اس کی حیثیت محض قیاس کی ہے۔ چونکہ اس پہاڑ کی شکل ایک بلند تخت کے مانند ہے اس لئے اسٹانلی کو وہ قربان گاہ کے لئے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محض اتنی بات اس بحث کو طے کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہے اس لئے اس کا قول بالکل ناقابل توجہ ہے۔ نصاریٰ اور یہود میں سے ایک شخص بھی اسٹانلی کا ہم خیال نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک یہ وہی مقام ہے جو بنی اسمٰعیل کے مسکن میں پایا جاتا ہے اور ابتدا سے مروہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہود کے صحیفوں سے ہمارے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے تفصیل (۱) یہ ہے:

"اور مدیانیوں کی لشکر گاہ ان کے شمال کی طرف کوہ مورہ کے متصل وادی میں تھی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مورہ کی پہاڑی مدیانیوں کی لشکرگاہ تھی اور یہ پوری قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ مدیانیوں سے مراد عرب ہیں۔ مدیان کا لفظ عربوں اور ان کی سرزمین کے لئے نہایت معروف ہے۔ صحف یہود میں اس کی تصریح ملتی ہے کہ مدیان سے مراد اسمٰعیلی ہیں۔ انگریز مترجم قرآن سیل لکھتا ہے۔

"مدیان حجاز کے شہروں میں تھا۔ یہ سینا کے جنوب مشرق میں بحر قلزم پر واقع تھا۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ یہ وہی مقام ہے جس کو بطلیموس نے مودیانہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔"

قضاۃ (۸-۲۲) میں ہے۔

تب بنی اسرائیل نے جدعون سے کہا کہ تو ہم پر حکومت کر۔ تو اور تیرا بیٹا اور تیرا پوتا بھی کیونکہ تو نے ہم کو مدیانیوں کے ساتھ چھڑایا۔ تب جدعون نے ان سے کہا کہ نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ میرا بیٹا بلکہ خداوند ہی تم پر حکومت کریگا۔ اور جدعون نے ان سے کہا کہ میں تم سے یہ عرض کرتا ہوں کہ تم میں ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دے دے (یہ لوگ اسمٰعیلی تھے اس لئے ان کے پاس سونے کی بالیاں تھیں)

پیدائش (۳۷-۲۵) میں ہے۔

"اور وہ کھانا کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آرہا ہے اور گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو لئے جا رہے۔ تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا۔ آؤ اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں کہ ہمارا ہاتھ اس پر نہ اٹھے کیونکہ وہ ہمارا بھائی اور ہمارا خون ہے۔ اس کے بھائیوں نے اس کی بات مان لی۔ پھر وہ مدیانی سوداگر ادھر سے گذرے تب انھوں نے یوسف کو کھینچ کر گڑھے سے باہر نکالا اور اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے پر بیچ ڈالا اور وہ یوسف کو مصر میں لے گئے۔"



اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مورہ مدیان کے مسکن میں واقع ہے اور مدیان بنی اسمٰعیل کو کہتے ہیں اور ارض مدیان حجاز میں بحر قلزم کے ساحل پر ہے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ مورہ درحقیقت مروہ کی تحریف ہے اور محققین توریت اعتراف کرتے ہیں کہ شام میں جہاں بنی اسرائیل آباد تھے اس نام کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہود نے خود یہ نام اپنے صحیفوں میں داخل کیا اور پھر خود ہی اس کا ایک فرضی مسمی ٹھہرایا جس کو تسلیم کرنے سے ان کے محققین نے صاف انکار کر دیا اور علاوہ ازیں خود ان کے صحیفوں کے نصوص سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مورہ حجاز میں ہے جہاں بنی اسماعیل آباد تھے۔

ان واضح دلائل کے بعد ان کے اس دعوی کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ مروہ جبل یروشلم پر ہے؟ البتہ اس امر میں ذرا بھی شبہہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ بنی اسمٰعیل کے مسکن میں واقع ہے اور ان کے مشہور مقامات میں سے ہے جس کو وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔ اور حج میں اس کا طواف کرتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن نے اس مقام کے طواف کا حکم دیا وہاں اس مقام کی تعریف کی ضرورت نہیں سمجھی صرف یہ فرمایا کہ یہ اللہ کے شعائر میں ہے۔ اور ساتھ ہی اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اہل کتاب نے اس میں تحریف کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری توضیح کے باوجود اس کو انھوں نے چھپا دیا تھا۔ قرآن مجید کے ان بیانات کی تفصیل قسط ثانی میں آئے گی۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلعم نے مروہ کے پاس قربانی کے جانوروں کو کھڑے دیکھا تو مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "یہ قربان گاہ ہے اور مکہ کے تمام راستے قربانی کی جگہ ہیں" ایک مرتبہ منی کی بابت ارشاد فرمایا کہ "یہ ایک قربانی کی جگہ ہے"۔ حضور کے الفاظ پر غور کرو۔ آپ مروہ کی نسبت تو فرماتے ہیں "ہذا المنحر" یہی قربان گاہ ہے یعنی اصلی قربان گاہ، اور دوسرے مقامات کی بابت تنکیر کے ساتھ صرف "منحر" کا لفظ استعمال فرماتے ہیں یعنی یہ بھی قربانی کی جگہیں ہیں۔

ہمارے دعویٰ پر قرآن مجید کے ایک اور پہلو سے بھی روشنی پڑتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں کے باب میں حکم دیا ہے کہ ثم محلها الى البيت العتيق (پھر ان کو قدیم گھر کی طرف لیجانا ہے) نیز فرمایا هديا بالغ الكعبة یعنی قربانی کے جانوروں کو کعبہ کے پاس پہنچانا چاہئے کیونکہ ان کے ذبح ہونے کی جگہ اسی بیت قدیم کے پہلو میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے بنایا۔

اس کے بعد اس امر پر غور کرو کہ مروہ خانہ کعبہ کے پہلو میں واقع ہے اور وہی اصلی قربانگاہ ہے۔ لیکن بعد میں جب امت کا دائرہ وسیع ہوا تو قربانگاہ کے دائرہ میں بھی وسعت کر دی گئی۔ اور اہل کتاب میں اور ہم میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ ابراہیمی قربان گاہ بیت اللہ کے پاس ہے جیسا کہ پیدائش (۱۲: ۶-۹) میں ہے۔

پھر قصہ ذبح میں جو واقعات و احوال بیان ہوئے ہیں وہ صرف اسی مروہ پر چسپاں ہوتے ہیں۔ ہیکل والے پہاڑ پر جسکا نام وہ موریا یا مورہ یا مریا وغیرہ بتاتے ہیں یہ حالات کسی طرح منطبق نہیں ہوتے۔ ان حالات کے تطابق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرق کی جانب سے آئے، اپنے دونوں غلاموں کو پاس کے ایک پہاڑ پر چھوڑ دیا اور اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل کو لیکر لبیک کہتے ہوئے سرگرمی کے ساتھ مروہ کی طرف گئے اور جیسا کہ پیدائش (۱۲: ۸-۱۰) میں مذکور ہے ابراہیم علیہ السلام کا مسکن صفا کے سمت میں تھا۔ تورات میں اسی سلسلہ میں واقعہ ذبح کی ایک دوسری روایت بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مورہ کی طرف سفر بھی بیان ہوا ہے۔۔۔۔۔ لیکن اسمیں صرف سفر ہی کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ ذبح کا واقعہ حذف کر دیا گیا ہے۔

یہی گوناگوں اسباب ہیں جنکی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لیکر آج تک صفا اور مروہ کے متعلق بعض روایات اور مناسک بنی اسمٰعیل میں قائم ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ کے یہاں ہم ان مناسک کا کوئی نشان نہیں پاتے۔ اس امر کی مزید تفصیل ہم انشاءاللہ چودھویں فصل میں کریں گے۔

(باقی)



# مقالات

## سیرت شبلی

(۶)

از جناب مولانا اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے علیگ

غیر۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ کہنا یہ تھا کہ علامہ شبلی جیسے اساتذۂ فن اور مجددین عصر روز پیدا نہیں ہوتے بلکہ صدیوں کے بعد جب تمام مساعد حالات یکجا ہو جاتے ہیں تب ایسی ہستیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اور حکمائے کی ہنرمندی اسی وقت کام دیتی ہے جب نگینے میں خود بھی چمک جانے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ میری ان توضیحات کو استاد پرستی پر مبنی سمجھا جائے۔ لہذا اس داستان کو انکی زبان سے سنئے جو خود اسی میدان کا مرد ہے اور اسی مجلس کی آخری یادگار جس کی روایت کسی درمیانی واسطہ کی محتاج نہیں ہے اور جس کی روایت پر کسی شک کا امکان نہیں ہے۔ جس کی نگاہ دقیقہ رس ہے اور جس کا قلم محتاط، جس کی رائے قطعی ہے اور جس کا قول فیصل یعنی بقیۃ السلف فخر الخلف نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی مدظلہ موصوف اپنے مضمون مطبوعہ علی گڑھ انسٹیوٹ میں فرماتے ہیں۔

بڑی خوش قسمتی علامہ شبلی مرحوم کی یہ تھی کہ اس عہد میں پروفیسر آرنلڈ جیسا عالم دوست استاد کالج میں تھا۔ یہ دونوں دلدادگان علم باہم ملے اور اس طرح ملے کہ جس طرح مختلف الجنس نور کی شعاعیں باہم ملکر عالم کی روشنی کا باعث بنتی ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ نے علامہ شبلی کو جدید اصول سے آگاہ کیا۔ یہ بتایا کہ جدید علمی مجالس کے کیا ساز و سامان ہیں۔ قدیم علوم پر کیا گیا، فرائض ہیں۔ علامہ شبلی کی حذاقت اور قوت دماغی

یہی کہ وہ جدید اصول کے طمطراق سے مرعوب نہیں ہوئے۔ بلکہ ان پر طمانیت سے غور کیا جو اصول صحیح تھے انکو اخذ کیا، نہ صرف اخذ کیا بلکہ اپنی زندگی کا رہبر بنایا، ان ناشی چیزوں کو رد کر دیا۔ پروفیسر آرنلڈ نے عربی کا استفادہ علامہ شبلی سے کیا، اور دیکھا کہ پرانی زمینوں میں بھی جواہر پارے موجود ہیں اگرچہ گرد اور ملبوں تلے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ اس واقفیت کا نتیجہ پروفیسر آرنلڈ کی بے نظیر تصنیف "پریچنگ آف اسلام" کی صورت میں عیاں ہوا۔ علامہ شبلی نے پروفیسر موصوف سے کسی قدر فرنچ بھی سیکھی تھی، علامہ ممدوح کی زندگی کا یہ دور بہت کچھ سبق آموز اور ایک نئے تعلیمی سلسلہ کا حل کرنیوالا ہے۔ پروفیسر آرنلڈ سالہا سال محمڈن کالج میں رہے اور بیسیوں طلبہ نے ان سے پڑھا، وہ محض معلم کے پروفیسر نہ تھے، جو بائیسکوپ کی تصاویر کی طرح حرکات اور صورت دکھا کر نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں وہ استاد شفیق اور شفقت کے اثر سے شاگردوں کے دل میں گھر کرنیوالے تھے۔ اس پر بھی ان کے کسی شاگرد نے ان سے وہ فیض حاصل نہیں کیا جو علامہ شبلی کے حصہ میں آیا۔ حالانکہ اور شاگرد بھی ان کے ہم عقل بچے نہ تھے، کالج کلاسوں کے طلبہ تھے"۔

مولانا شروانی کا یہ ارشاد یقیناً صحیح ہے کہ آرنلڈ صاحب اور کسی شخص نے علی گڑھ میں اتنا فائدہ نہیں اٹھایا جس قدر علامہ موصوف نے۔ اور ظاہر ہے کہ اٹھا بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ اب تو مسلسل تجربات نے حقیقت واضح کر دی ہے کہ انگریزی درسگاہوں میں نہ وہ قوت مطالعہ اور صلاحیت اخذ پیدا ہوتی ہے نہ استاد کی شخصیت سے وہ شغف اور شیفتگی جو عربی مکاتب کا مخصوص جوہر تھا، مگر بایں ہمہ اس واقعہ سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علی گڑھ کے اس عہد زریں میں پروفیسر آرنلڈ، مسٹر وڈ بریلے اور علامہ شبلی جیسے یگانۂ عصر اور استاذ فن کا اجتماع طلبہ کے لئے بھی بہت کچھ باعث فیض ہوا۔ کوئی مانے یا نہ مانے، اقرار کرے یا انکار، دعائیں دے یا گالیاں، یہ تو اپنی اپنی سعادت و شقاوت پر منحصر ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ نے اس فصل میں پیداوار کا جو نمونہ پیش کیا، پھر اس کے بعد آج تک ممکن نہ ہو سکا۔ خصوصیت کے ساتھ السنۂ شرقیہ کے ایسے باکمال ادیب پھر پیدا نہ ہو سکے جیسے مولانا حمید الدین بی اے، مولوی بہادر علی ایم اے، مولوی داؤد بھائی۔



چودھری خوشی محمد خان، ناظر مولوی سید ممنون علی نقاش بدایونی، سید سجاد حیدر یلدرم، مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد علی مرحوم اور یادش بخیر ملک کے مشہور دیباچہ نگار اور انجمن اردو کے سکریٹری مولوی عبدالحق صاحب حیدرآبادی۔

## علی گڑھ میں مولانا کی خدمات

جس طرح آفتاب اپنی شعاعوں کو فضا میں منتشر ہونے سے روک نہیں سکتا اسی طرح ایک اہل علم بھی اپنے گردوپیش کو منور کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اور علی گڑھ میں تو مولانا شبلی کا فرض منصبی ہی علمی افادہ تھا۔ اس لئے ہم اس موقع پر ان تعلیمی فیوض کی تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں جو مولانا شبلی کی ذات سے علی گڑھ کے طلبہ نے حاصل کئے۔ البتہ مولانا کے دل و دماغ اور دست و قلم سے جو فوائد علی گڑھ کی تحریک کو پہنچے یا خود اس تحریک کی جس حد تک اصلاح ہوئی اس کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کر دینا کچھ بے محل نہ ہوگا۔ لیکن چونکہ تحریک علی گڑھ کا اصلی کارنامہ مسلمانوں میں تعلیم جدید کی اشاعت ہے لہذا اصل مبحث کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ چند سطروں میں ان محرکات کی طرف بھی توجہ دلائی جائے جن کے ماتحت ہندوستان میں موجودہ طرز تعلیم کی بنیاد پڑی۔

وہ ارباب نظر جنہوں نے ہندوستان میں برطانیہ کے تسلط و اقتدار کی تاریخ بغور پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ایک تجارتی کمپنی نے بتدریج غیر محسوس طریقہ پر اس وسیع اور زرخیز ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے موجودہ حکمرانوں کے مورث بڑی کوشش سے دربار شاہی تک پہنچے۔ پھر جب کچھ دنوں کے بعد نگاہوں کی چکاچوند کم ہوئی اور عرض تمنا کے لئے جنبش لب کی جرأت پیدا ہو چلی تو وہ آزادی تجارت اور پھر رفتہ رفتہ خرید آراضی اور تعمیر مستقر کی اجازت حاصل کرتے گئے۔ اس طرح جب قدم جمانے کا موقع مل گیا، اور ملکی حالات سے واقفیت ہو چلی تو نیت بدل گئی، کوٹھیوں میں فراہمی اسلحہ کے لئے سامان تجارت کی حفاظت کا حیلہ تراشا۔ سراج الدولہ کو شکست دینے کے لئے میر جعفر سے سازش کی۔ روہیلکھنڈ کو اودھ سے ٹکڑا کر تباہ کیا۔ اور اس کے بعد خود اودھ کے جابر ظالم پنجہ کو

ثریا پر پہنچایا۔ سلطان ٹیپو شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے جانباز اور اولوالعزم جنرل کو میر صادق کی کور نمکی اور ایک اسلامی ریاست کی مدد سے جام شہادت پلایا اور اس احسان کے صلہ میں خود اسی ریاست کا بہترین حصہ نگل اس طرح ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لی۔ جس شاہ عالم کے سپہ سالار بنگش ثابت جنگ بہادر کا خطاب، دیوانی کے اختیارات اور ممالک مشرقی و شمالی کے چند اضلاع کی حکومت حاصل کی انھیں کے جانشین اور بابر و اکبر کی آخری یادگار ظفر شاہ کے ساتھ وہ سلوک کیا جو درندے بھی اپنے شکار کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ سکھوں کی امداد سے ہندوستان کے اٹھتے ہوئے جوش آزادی کو کچلنے میں کامیاب ہوئے تو خود سکھوں کو ان کی ملک فروشی کی سزا دیدی۔

غرض ملک کی ہر جماعت کو ایک ایک کر کے گنڈیری کی طرح چوستے رہے اور جب اپنا کام اور اس کا رس نکل چکا تو نہایت بے پروائی سے تھوک دیا۔ سچ ہے۔ من اعان ظالما سلطہ اللہ علیہ۔

خود انگریز مصنفوں نے یہ حقیقت مجبوراً تسلیم کی ہے۔ مسز اینی بسنٹ فرماتی ہیں۔

"ہندوستان کو انگلستان نے اپنی تلوار سے فتح نہیں کیا بلکہ خود ہندوستان کی تلوار سے۔ رشوت سازش، منافقت اور متنافی دو رخی پالیسی چلا کر کے اور ایک کو دوسرے سے لڑا کے ملک حاصل کیا گیا۔"

حکومت چھین چکے تو اس سے بڑا مرحلہ قیام و استحکام حکومت کا سامنے آیا۔ فن سیاست کا یہ مسلم قانون ہے کہ جبر و تشدد، فوج و اسلحہ کے ذریعہ سے ایک سلطنت حاصل تو کی جا سکتی ہے مگر تنہا انھیں وسائل کے بل پر قائم نہیں رکھی جا سکتی اور ہندوستان میں تو برطانیہ کے لئے قیام سلطنت میں غیر معمولی دشواریاں تھیں۔ انگلستان اور ہند میں سات سمندروں کا فاصلہ، مذہب جدا، نسل مختلف، آب و ہوا متضاد تمدن علیحدہ، زبان بیگانہ۔ قصہ مختصر کہیں سے کوئی جائے اتحاد و اشتراک نہ تھی۔

ذرا ساتھ کب اس سے ہے بجھنے والا    وہ پچھم میں پورب، وہ گورا میں کالا



مگر برطانوی ہوشمندی نے اس محال کو بھی ممکن بنا دیا۔ اور مشرق و مغرب کو یکجا کر دکھایا۔ صورت یہ ہوئی کہ بدقسمتی سے اس وسیع جنت ارضی میں خود بھی اختلاف و کشمکش کے اسباب موجود تھے۔ ہندوستان بجائے خود ایک براعظم ہے، جس میں مختلف النسل اور مختلف المذاہب انسان آباد ہیں۔ مختلف خطوں میں سیکڑوں ایسی زبانیں رائج ہیں جو دوسرے حصص ملک کے لئے ناقابل فہم ہیں۔ راجپوتانہ، کشمیر، پنجاب و مدراس، سندھ و آسام کیا بلحاظ آب و ہوا اور کیا بخیال تہذیب و معاشرت کسی طرح ایک ملک کے مختلف حصے نہیں کہے جا سکتے۔ ہمارے نئے فاتحین نے حصار ہند کا یہی کمزور نقطہ دریافت کر لیا اس لئے حملہ کا سارا زور اسی محاذ پر صرف کرتے رہے۔ اور مختلف تدبیروں سے ہندوستان میں وطنی قومیت کی تشکیل کو بظاہر ناممکن بنا دیا۔ کہیں صوبہ جاتی جذبات بھڑکائے گئے، کہیں نسلی اختلافات سے فائدہ اٹھایا گیا، کہیں معاشرتی تفرقوں سے کام لیا گیا، اور کہیں مذہبی جذبات سے کھیلا گیا۔ پنجابی کو بنگالی سے، اچھوت کو برہمن سے، مغل کو پٹھان سے، اور ہندو کو مسلمان سے ٹکرا کر اپنے وجود کی ضرورت ثابت کی گئی۔

جھگڑا کہیں گاؤ کا، زبان کی کہیں بحث    چلتا ہے بہت یہ نسخہ گاؤ زبان

پھر بھی محض اس نسخے کا سہارا تا بکے! ۱۸۵۷ء میں کچھ دنوں کے لئے یہ نسخہ بھی بیکار ثابت ہوا۔ اس لئے ایک جانب تو قیام امن کے حیلہ سے تمام آبادی کو اس طرح نہتا کر دیا کہ صرف سنان مژہ اور تیغ ابرو لیسنس سے مستثنیٰ رہ سکی۔ اور حضرت اکبر کو اس استثنا کے خلاف احتجاج کی ضرورت پیش آئی۔

عہد انگلش میں بھی ہے آزادی جور بتاں    تیغ ابرو کے لئے حاجت نہیں لیسنس کی

دوسری جانب ملک کے گوشے گوشے میں نفوذ و اقتدار کا پنجہ مضبوط رکھنے کے لئے، ترقی تجارت کے بہانے سے ریلوے کا جال بچھا دیا گیا۔ سرحدی استحکامات پر ملک کی آمدنی کا معتد بہ حصہ خرچ ہوتا رہا۔ جن ممالک کے حدود ہندوستان سے ملحق یا قریب تر تھے ان پر تسلط جمانے کی سیکڑوں تدبیریں ایجاد کی گئیں۔ مصر، شام، بصرہ، قسطنطنیہ، عدن، افغانستان، ایران، ترکی وغیرہ بلاد اسلامیہ پر

جو مصیبتیں نازل کی گئیں یا آج فلسطین کے عربوں اور سرحد کے پٹھانوں پر نازل ہو رہی ہیں ان کی شان نزول صرف تاج برطانیہ کے اسی قیمتی ہیرے کا تحفظ ہے جس کو ہندوستان کہتے ہیں۔ غرض اہل ہند کے لئے خود ان کا نشیمن قفس بنا دیا گیا، اور قفس میں تو خیر زبان آزاد رہتی ہے، یہاں اسکی بھی اجازت نہ تھی۔

مجھے بھی اذن فغاں مل سکے تو مرغ اسیر
ترے قفس سے بدل لوں میں آشیاں اپنا

یہ سب کچھ ہو مگر پھر بھی ان گورے فاتحین نے ہندوستان کو اس خوف سے اپنا وطن نہیں بنایا کہ مبادا کہیں اس کالی زمین سے انس نہ پیدا ہو جائے۔ ہندوستان میں ہمیشہ بیرونی فاتح آتے رہے مگر حکومت صرف انھیں لوگوں نے کی جو ہندوستان میں رہ پڑے اور اسکو اپنا وطن بنا لیا۔ اس طرح خواہ کوئی جماعت بھی حکمراں رہی ہو۔ انگریزی حکومت کے پیشتر ہندوستان کبھی غلام نہ ہوا تھا۔ کبھی دوسرے ملک کی اس پر حکومت نہ تھی۔ ہندوستان پر غلامی کی لعنت پہلے پہل ہمارے موجودہ مہربانوں کی لائی ہوئی ہے۔ یہ وہ صداقت ہے جس کو خود ایک راستباز انگریز "برک" نے تسلیم کیا ہے۔

"سابق فاتحین میں اور ہم میں ایک فرق تھا وہ یہ کہ ان کی خوشحالی اور بربادی ان کے نئے وطن ہندوستان کی خوشحالی و بربادی سے وابستہ ہو جاتی تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ اسی سرزمین میں ان کی اولاد پھلے پھولے گی۔ وہ کاشتکاروں اور صناعوں سے بڑے بڑے محصول لیتے تھے مگر ان جیبوں کو خالی کرتے انھیں کو دوبارہ بھر بھی دیتے تھے۔ تاتاریوں کی یورش سے بے شک ہندوستان کو عارضی نقصانات پہنچے۔ مگر ہماری حفاظت تو تباہ کئے ڈالتی ہے"۔

سچ کہا ہے مولانا حالی نے

روسی ہوں یا تاتاری ہم کو ستائیں گے کیا
دیکھا ہے ہم نے برسوں لطف و کرم تمہارا

ملکی صنعت کی بربادی جس کا نزلہ سب سے زیادہ مسلمانوں پر گرا۔ اسی پالیسی کا نتیجہ تھی۔ ہندوستان کی سب سے بڑی صنعت پارچہ بافی تھی، اور یہ سب مسلمانوں کے ہاتھ میں۔ اس صنعت کو جس طرح برباد کیا گیا،



اس کی داستان حد درجہ دردناک ہے۔ یہ کہانی بھی خود ایک انگریز مورخ مسٹر ولسن کی زبانی سنئے:۔

"ہندوستان کے ساتھ اس ملک نے جس کا اب وہ ماتحت ہے بڑی ناانصافی کی ہے۔ جس کی ایک افسوسناک مثال یہ ہے کہ ۱۸۱۳ء میں ایک گروہ نے تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان کیا تھا کہ اس وقت تک ہندوستان کے سوتی اور ریشمی کپڑے برطانیہ کے بازاروں میں خود برطانوی ساخت کے مال سے پچاس اور ساٹھ فی صدی سستے بکتے تھے اور پھر بھی تاجروں کو نفع تھا۔ لہذا ضروری ہو گیا کہ ۷۰ اور ۸۰ فی صدی محصول لگا کر انگلستان کی مصنوعات کا تحفظ کیا جائے۔ اگر یہ امتناعی محصول نہ ہوتا تو منچسٹر وغیرہ کے کارخانے کھلتے ہی بند ہو جاتے اور بھاپ کی طاقت بھی ان کو حرکت میں نہ لا سکتی"۔

نہیں خالی ضرر سے دشمنو کی لوٹ بھی لیکن
حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہو علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں
یہ گلچینی ہے یا لٹس ہے گلچیں! یا ہے قزاقی

چونکہ سلطنت مسلمانوں ہی سے لی گئی تھی، اور اس وقت تک باوجود انتزاع سلطنت بھی مسلمان کافی طاقتور اور بیدار تھے اس لئے شروع سے ہمارے فاتحین کا طرز عمل رہا کہ مسلمانوں کو جس طرح بھی ممکن ہو ہمیشہ کے لئے کچل دیا جائے۔ اس کا سب سے بڑا اور روشن ثبوت یہ ہے کہ جس حصہ ملک میں جس قدر پہلے انگریزی حکومت قائم ہوئی اسی قدر اس حصے میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور تباہی بڑھی ہوئی ہے۔ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ تباہ حال، جاہل، غیر متمدن، مفلس اور مظلوم مسلمان بنگال کے ہیں۔ اور یہی وہ خطہ ہے جہاں سب سے پہلے کمپنی کا تسلط ہوا، صنعت و تجارت کی بربادی کا حال آپ سن چکے اب ان کے ہاتھوں زمینداری، کاشتکاری اور اوقاف کی تباہی کا ذکر بھی سن لیجئے۔

کمپنی کی حکومت کے زمانے میں وصولی مالگذاری کا انتظام یہ تھا کہ معمولی درجہ کے بنیوں کو جو علاوہ ازیں کمپنی کو وقتاً فوقتاً مالی امداد دیتے اور سود خانہ داری کا انتظام کرتے۔ بڑے بڑے ٹھیکے دیئے جاتے۔ یہ لوگ وصولی مالگذاری کے حیلہ سے سخت مظالم کرتے اور زمینداروں کو تباہ کر ڈالتے۔ باایں ہمہ مالگذاری بھی کہ دوگنی ہو گئی وصولی کے بعد بھی باقی ہی رہتی اور اس باقی داری کی علت میں لاکھوں کی زمینداریاں سیکڑوں میں نیلام

ہو کر انھیں بنیوں کے پاس آجاتیں۔ اگر کچھ زمینداریاں پھر بھی نیلام سے بچ رہتیں تو ان کا بھی بندوبست اکثر انھیں بنیوں کے حق میں کر دیا جاتا۔

وارن ہیسٹنگز کا بنیا کنتو بابو تیرہ لاکھ مالگذاری کا ٹھیکہ دار تھا۔ حالانکہ اس وقت ایک شخص کو ایک لاکھ سے زیادہ کا ٹھیکہ دیا جانا قانوناً ممنوع تھا۔ گنگا گوبند ایک اور بنیا انھیں گورنر صاحب کا منظور نظر تھا۔ جس نے انھیں ترکیبوں سے تین کروڑ بیس لاکھ روپیہ کمائے تھے۔ دوسرے صاحب دیوان رام چند تھے جو تنخواہ تو ساٹھ روپیہ ماہوار پاتے تھے مگر جو پس انداز چھوڑا تھا اس کی تعداد ساڑھے بارہ کروڑ روپیہ تھی۔ دیبی سنگھ نامی ایک بنئے کو بنگال کے بڑے بڑے علاقے ٹھیکہ پر دیدیے گئے تھے۔ یہ ظالم نئے نئے طرح کے محصول ایجاد کرتا۔ وصول شدہ مالگذاری کو بھی بقایا ظاہر کر کے شریفوں کو ہتھکڑیاں بھروا دیتا۔ اور زمینداریاں نیلام کرا کے چھوڑتا۔ مسٹر برک کہتے ہیں۔

> بنیا یا دیوان انگریز کے گھر کا منتظم ہوتا ہے بنیا ہوتا ہے۔ استحصال بالجبر کرتا ہے۔ غارتگری کرتا ہے اور اس لوٹ کا جو حصہ مناسب سمجھتا ہے صاحب کو بھی دیدیتا ........ زمیندار گھربار اور نوکر چاکر سب چھوڑ کر بھاگ نکلے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ اوقاف نیلام ہو رہے ہیں جو انھوں نے خدا کی راہ میں دے رکھے تھے۔ اور وہ جائدادیں بھی جو انھوں نے اپنی تجہیز و تکفین اور مابعد الممات رسوم کیلئے علیحدہ کر رکھی تھیں:

کاشتکاروں کی مصیبت اس سے بھی زیادہ تھی۔ لگان کی وصولی میں طرح طرح کی سختیاں کی جاتیں۔ بھیڑ بکری کی طرح بند کر دیے جاتے۔ مال و اسباب اور مویشی تک نیلام کر دیے جاتے۔ گھروں کو لوٹ کر آگ لگا دی جاتی۔ اور جب وہ ترک وطن پر مجبور ہوتے تو فوجوں سے گھیر ڈال کر واپس کر دیے جاتے۔ مسلمان کاشتکار سے تو داڑھی کا ٹیکس بھی وصول کیا جاتا۔ ایک انگریز افسر کا بیان ہے کہ جون ۱۸۳۱ء میں کشن رائے زمیندار پورنا نے ہر مسلمان کاشتکار پر فی کس ڈھائی روپیہ داڑھی کا ٹیکس لگا کر



وصول کیا۔

سلطنت، صنعت، زمینداری اور زراعت سب کچھ چھن جانے کے بعد ایک پیشہ سرکاری ملازمت کا رہ گیا تھا۔ جو زیادہ تر مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ وہ بھی اس طرح ختم ہوا کہ پہلے تو اعلیٰ عہدے محض انگریزوں کے لئے مخصوص کر دیئے گئے پھر رفتہ رفتہ ماتحتی کی آسامیاں بھی ہندوؤں سے پر کر دی گئیں۔ کیونکہ پہلے عدالتی زبان فارسی ہونے سے مجبوراً زیادہ مسلمانوں کا تقرر لازم تھا۔ جب فارسی اٹھا کر ہر صوبہ میں وہاں کی مقامی زبان دفتروں میں رائج کر دی گئی تو مسلمانوں کی کیا ضرورت باقی رہی۔ اسی دفتری ملازمت کے لئے موزوں اشخاص کی ضرورت نے تعلیم انگریزی کی ترویج کا خیال پیدا کیا۔ لیکن شروع میں کمپنی کے ڈائرکٹر یہ کہکر مخالف ہو گئے کہ "امریکہ میں درسگاہیں قائم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ملک ہاتھ سے جاتا رہا" اس مخالفت کے باوجود بھی انگریزی کے اجرا کی کوشش جاری رہی چنانچہ مسٹر چارلس گرانٹ ڈائرکٹر کمپنی نے ایک رسالہ اس خیال کی تائید میں لکھا۔ جس کے حسب ذیل اقتباسات توجہ کے قابل ہیں۔

> "یہ بالکل ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم ہندوؤں کو بتدریج اپنی زبان سکھائیں جس کی وساطت سے اپنے فلسفہ اور الہیات کی تعلیم دیں۔ یہ تعلیم غیر محسوس طریقہ پر خود ہندوؤں کے سابق عقائد کی بنیادیں ہلا دے گی۔ مسلمانوں نے اپنی حکومت کے دور میں ہندوؤں کے معتقدات اور اخلاق سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس لئے ہم کو اس راستہ میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ کیونکہ ہندو دل کے اتنے بودے ہیں کہ انگریزی پڑھ جانے پر بھی ناممکن ہے کہ ان میں حصول آزادی کا ولولہ یا اس کی قابلیت پیدا ہو جائے۔ کم سے کم دفتری زبان انگریزی ہونے میں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ مسلمانوں نے بھی اپنے عہد میں دفتری زبان فارسی رکھی تھی۔ اس لئے دفتر میں انگریزی کی ترویج سے ہم کو آسانی ہوگی۔ اور ہندو خوشی سے اس کو سیکھیں گے۔ کیونکہ ان کو فارسی سے کوئی خاص انس نہیں ہے اور انگریزی سیکھ جانے سے موجودہ حکومت میں ان کی وقعت بڑھ جانے کی توقع ہے۔"

لارڈ میکالے کے الفاظ اور بھی واضح ہیں۔ وہ اپنی رپورٹ مرتبہ ۱۸۳۵ء میں فرماتے ہیں۔

"ہم کو ایک ایسا گروہ پیدا کرنا چاہیے جو حاکم اور محکوم کے درمیان ترجمان کا کام دے اور جو نسل و رنگ کے لحاظ تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے انگریزوں کی سی ہو۔"

اپنے پدر بزرگوار کو ایک چٹھی میں اپنے دلی جذبات اس طریقہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

".. اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے کوئی ہندو جو انگریزی پڑھ لیتا ہے اپنے مذہب پر سچائی سے قائم نہیں رہتا۔ اکثر تو عیسائی ہو جاتے ہیں۔ اور جو لوگ بظاہر ہندو بنے رہتے ہیں۔ وہ بھی محض بر بنائے مصلحت؛ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر ہم لوگوں کی رائے مسئلہ تعلیم میں مان لی گئی تو ۳۰ سال کے بعد بنگال میں ایک بھی بت پرست نہ رہ جائے گا۔"[لہ]

بھلا ان خوش آیند توقعات کے بعد جو شروع میں کامیاب بھی رہیں انگریزی تعلیم کیوں نہ رائج کی جاتی۔ مگر آپنے ملاحظہ کیا کہ اس تعلیم کی اشاعت محض ہندوؤں میں مقصود بھی کیونکہ مسلمانوں سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ انگریزی پڑھ کر ملت حقہ اسلام سے منحرف ہو جائیں گے۔ یا حصول تعلیم کے بعد حصول آزادی کیلئے ساعی نہ ہوں گے۔

ان خیالات کے جو نتائج ہوئے اس کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ مسلمان جدید تعلیم سے محروم رکھے گئے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے اوقاف کی آمدنی سے بھی مسلمان کے بجائے ہندو فیضیاب

---

لہ تبلیغ مسیحیت کا یہی جنون تھا جس کا خمیازہ بہت سے علمائے حق کو اٹھانا پڑا۔ مولوی فضل الحسن، حسرت موہانی کے ننہال کا تار حسن موہانی مرحوم کو نشئی ہے اس بنا پر استعفاء دینا پڑا کہ انھوں نے رد نصاری میں "استفسار" وغیرہ کئی ضخیم کتابیں لکھی تھیں۔ حضرت مولانا مفتی عنایت احمد مرحوم کو نہ صرف سب جی چھوڑنا پڑی بلکہ بالزام بغاوت حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا بھگتنی پڑی۔ اور مولانا حاجی امداد اللہ مرحوم کو ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی



ہونے لگا۔ اور وہ ملازمتیں جو اس وقت ہندوستانیوں کو مل سکتی تھیں، تقریباً کل کی کل ہی جدید الخیال اگریزیت پسند جماعت کے ہاتھ میں آگئیں۔ کچھ ہی دنوں کے بعد ایک طرف تو دولت کی افراط اور اقتدار کی زیادتی نے ہندوؤں کو حوصلہ مند اور ایک حد تک گستاخ بنا دیا۔ دوسری جانب مسلمان مجبوراً تنگ آمد بجنگ آمد پر عمل کے لئے تیار ہو گئے۔ مدبرین برطانیہ نے اس صورت حال سے متاثر ہو کر اب چشم التفات کا ایک گوشہ مسلمانوں کی طرف بھی مائل کرنا چاہا۔ ۱۸۷۱ء میں ایک انگریز افسر نے مسلمانوں کی تعلیم پر ایک سلسلہ مضامین کے ذریعہ سے توجہ دلائی جس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں کی بے اطمینانی بے بنیاد ہے، سالہا سال سے ان کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ان کی وفاداری کو مشتبہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی تعلیم کی طرف سے غفلت کی جا رہی ہے۔ اور ان کے اوقاف کی آمدنیوں کو جو اسلامیہ کالجوں کے قیام کے لئے تھیں دوسرے کاموں میں صرف کیا جاتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ موجودہ غفلت کے بعد ایک عاقلانہ اور فیاضانہ حکمت عملی اختیار کی جائے گی۔"

یہ ظاہری فیاضی واقعی ہمدردی پر مبنی نہ تھی، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان...... اس طرح دب گیا تھا کہ انگریزوں کی رائے میں اب اس سے کسی خطرے کا احتمال نہ تھا اس لئے یہ توقع کی جاتی تھی کہ انگریزی پڑھکر یہ بھی اپنے مذہب سے بیگانہ اور دینی روایات سے بیزار ہو جائے گا۔ اپنے اسلاف کا استخفاف اور اپنے علم کا استہزا کریگا۔ تدین کو موجب عار اور تفریح کو باعث افتخار سمجھے گا۔ غرض اوروں کی حکومت کی طرح دل و دماغ پر بھی انگریزوں کا تسلط قائم ہو سکیگا۔ ادھر بعض دردمند مسلمان ۱۸۵۷ء کے مصائب سے اس قدر خائف ہو چکے تھے کہ صرف برطانیہ کے توسل اور برطانوی علوم کی تحصیل کو مسلمانوں کی بقا کا ضامن و متکفل سمجھتے تھے۔ مناصب سرکاری کے ذریعے سے جو رسوخ او اقتدار ملک میں حاصل ہوتا تھا وہ بھی نگاہوں کے سامنے تھا۔ مگر یہ عہدے بغیر انگریزی تعلیم کے مل نہ سکتے تھے۔ اس لئے بجز ایک

مخصوص دیندار طبقہ کے بقیہ تمام مسلمان انگریزی کی طرف مائل تھے۔ حکام کی توجہ اور رعایا کی تمنا دونوں کی ہم آہنگی کا زمانہ تھا جب کہ سرسید نے ۱۸۷۵ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد ڈالی۔ اس زمانہ میں سب بھی یوں بھی ایک بڑی چیز تھی۔ علاوہ بریں سرسید کو جو رسوخ گورنمنٹ میں حاصل تھا اس کی بنا پر ہندوستانیوں میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً ان کا کافی اثر تھا۔ یہ اسباب تھے جن کی بنا پر سرسید کو ان رؤسا سے جو سرکاری حکام کے زیر اثر تھے کالج کے لئے چندے مل سکے۔ یہاں تک کہ ہندو رؤسا نے کافی امداد کی۔ جہاں کالج کا وفد جاتا، انگریز حکام خود بڑے بڑے چندے دیتے اور مقامی رئیسوں سے بجبر دلواتے۔ مولانا نے ایک مضمون کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

"ندوہ کی جماعت غربا اور شکستہ لوگوں کی جماعت ہے اس کا دست طلب کسی کے دامن پر بیباکانہ
اور مدعیانہ نہیں پڑ سکتا۔"

اس فقرہ کا روئے سخن اسی صورت حالات کی طرف ہے۔

مگر باایں ہمہ دو طبقے ایسے بھی تھے جہاں یہ تمام اثرات بیکار تھے۔ ایک تو وہ اعلیٰ طبقہ کے رہنما جو سرکاری حکام کے احاطہ اقتدار سے باہر تھے۔ مثلاً خود مختار ریاستیں اور ان کے امراء۔ دوسرا طبقہ عوام اور متوسطین کا تھا جس کو گورنمنٹ سے نہ کسی خطاب کی امید تھی نہ عتاب کا اندیشہ۔ اس آخر الذکر طبقے پر سب زیادہ اثر علماء کا تھا۔ ضرورت تھی کہ مختلف النوع طبقے بھی اس جدید تحریک کی اعانت پر آمادہ کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں طبقوں میں اگر کوئی آواز یکساں طور پر موثر ہو سکتی تھی تو وہ شاعری کی آواز تھی۔ امراء پر شعر کا اثر محتاج بیان نہیں ہے۔ کون ہے جس کو اپنی مداحی پسند نہ ہو۔ اور ایشیائی امراء میں تو مدح وستائش کا صلہ دینا تاریخی طور پر ایک قدیم دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔ عوام میں بھی تبلیغ واشاعت خیالات کا ذریعہ نغز موزوں سے بڑھکر آج تک دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ کون انصاف پسند اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ سرسید کی تحریک کو ہر دلعزیز بنانے کی خدمت جس کامیابی کے ساتھ مولانا حالی کی ایک مسدس نے



انجام دی ہے اس کا عشر عشیر بھی تہذیب الاخلاق کی مجلدات سے نہ ہو سکا۔

آنچہ با یک سخن توان کردن — باہزاراں سپاہ نتواں کرد

مولانا نے بھی عوام کو متاثر کرنے کے لئے کئی نظمیں خلاف معمول اردو زبان میں لکھیں از انجملہ مثنوی صبح امید اور ایک مختصر سی نظم جو پینی ریڈنگ تھیٹر میں پڑھی گئی بہت مقبول ہوئیں۔ اس کے علاوہ کالج کے لئے مولانا نے وہ کیا جس سے ان کی غیر معمولی بلند فطرت ہمیشہ ابا کرتی رہی اور جس کو انھوں نے اپنے بڑے سے بڑے ذاتی فائدہ کے لئے کبھی ایک منٹ کے واسطے گوارا نہیں کیا۔ وہ کیا؟ امراء کی مدح وستائش خواہ وہ آئندہ حصول صلہ کی نیت سے ہو یا عطائے سابقہ کے شکریہ میں۔

الغرض اپنے نتائج فکر کی متاع گراں ارز کو چند قراضہ ہائے سیم کے عوض میں فروخت کرنا خواہ کتنی قیمت مہنگی مل گئی ہو یا بعد کو ملے انھوں نے ہمیشہ انسانی شرف کی توہین سمجھا ورنہ جاننے والے جانتے ہیں کہ اکثر مواقع پر مولانا کو بڑی سے بڑی قیمتیں پیش بھی کی گئیں مگر انھوں نے ہمیشہ اپنے طرز عمل سے یہی جواب دیا۔

کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اس مسئلہ میں انکو اس حد تک اصرار تھا کہ جو امراء واہل دول واقعۃً مدح وستائش کے مستحق تھے انکی تعریف میں بھی ان کے جیتے جی مولانا نے قصیدہ تو کیا ایک شعر بھی کہنا گوارہ نہ کیا۔ اس خیال کو انھوں نے اپنی نظموں میں بھی اکثر ظاہر کیا ہے۔ ایک مطبوعہ اردو قصیدہ میں کہتے ہیں

میں نہیں وہ جو کروں مدحت ارباب دول

اپنے مشہور فارسی قصیدے میں جو مطبوعہ دیوان میں موجود ہے فرماتے ہیں۔

گرچہ پرہیچی ایں شعبدہ ہے بر ظہیر — کایں نہ رازیست کہ مستور زدانا ماند
لیک با انیہمہ از گرمی ہنگامۂ آز — نتوانست کزیں ہرزہ دروی وا ماند

بیچارے ظہیر پر کیا منحصر ہے یہ معصیت تو ایسی عالمگیر ہے جس سے فارسی و اردو کا کوئی قصیدہ

شاہو نظامی و سعدی سے لیکر غالب و حالی تک محفوظ نہیں ہے۔ عرفی زیادہ سے زیادہ یہ کرتا ہے کہ امراء کی مدح کے ساتھ اپنا فخریہ ملا کر ذرا اس ذلت کی تلخی کم کر دیتا ہے۔

بہرحال مولانا نے قومی مفاد کی خاطر یہ زہر کا گھونٹ بھی گوارہ کیا اور کالج کی طرف سے امراء کی مدح میں بھی کئی نظمیں لکھیں۔

(باقی)

## ایک عمدہ عربی ریڈر

### اسباق الحکیم

از مولانا حمید الدین فراہیؒ

ہم لوگوں کو عربی کے ابتدائی درجوں میں پڑھانے کے لئے عرصہ سے ایک عمدہ عربی ریڈر کی تلاش تھی مگر کوئی مناسب ریڈر نہ ملی۔ مصر کے مدارس میں جو ریڈریں پڑھائی جاتی ہیں وہ منگوائیں مگر ہیاں کے نصاب سے انکا میل نہ ہوا۔ اتفاق سے مولاناؒ کے کاغذات میں دیکھا گیا تو ایک نہایت عمدہ عربی ریڈر مل گئی جو انھوں نے نصاب تعلیم کیلئے تیار کی تھی۔ یہ ریڈر دائرہ نے چھاپکر شائع کر دی ہے۔ عربی مدارس کے ابتدائی درجوں کیلئے نہایت بہترین چیز ہے۔ اساتذہ اور منتہین پڑھکر انشاءاللہ اس کو پسند کریں گے۔ مدرسۃ الاصلاح نے اپنے نصاب کیلئے اس کو پسند کر لیا ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب، کاغذ عمدہ۔ قیمت ۸

منیجر



# مذاکرہ

## "بلاغ الحق"

از جناب مولوی حافظ سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب منگھوی

مسلمانوں کی تباہی، زبوں حالی، ادبار و نکبت، اور بام عروج و ترقی سے یکایک قعر مذلت میں گرنے کا بلا شبہہ واحد سبب ہے، تو یہی، کہ انھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، قرآن سے منہ موڑ لیا اور قرآن کو اس طرح پس پشت ڈالدیا کہ گویا "کِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ" کے صحیح مظہر اور ٹھیک مصداق یہی تھے اعیان قوم اور اکابرین ملت نے تشخیص مرض میں اتفاق کے ساتھ علاج بھی واحد تجویز کیا کہ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" اور مقام مسرت ہے، کہ کم و بیش ہر جگہ قرآن کے تعلیم و تعلم، قرآنی تعلیمات کے نشر و اشاعت کی سعی بلیغ ہو رہی ہے۔

انھیں لوگوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو حد اعتدال سے گزر کر افراط و تفریط کو اپنا طرۂ امتیاز بنائے ہوئے ہیں، اور خدمت قرآن کے نام سے احادیث نبوی کے گنجینۂ حکمت کو مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ بغیر حدیث ایک اپنچ نہیں چل سکتے، اور قرآن کی کوئی صحیح خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ قرآن جس پر نازل ہوا اس سے زیادہ قرآن کو سمجھنے والا، اور اس سے بہتر قرآن کو سمجھانے والا، روئے زمین پر نہ پیدا ہوا ہے، نہ حشر تک پیدا ہوگا، اور حدیث کیا ہے، اسی مہبط وحی کا قول و فعل کہ انھوں نے قرآن کو کیا سمجھا، اور کیا سمجھایا؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن مکمل ہے! بلا شبہہ، مفصل ہے! لاریب، آسان و سہل ہے! بالکل درست، لیکن اس سے یہ

کہاں لازم آتا ہے، کہ ہر کس و ناکس اس طرح سمجھے جس طرح رسول صلعم نے سمجھا، اور ہر عامی و جاہل کیلئے اسی طرح سہل ہو جس طرح ایک عالم و فاضل کیلئے، نحو و صرف کے کسی مبتدی طالب علم کو اگر یہ کہا جائے کہ شرح ملا جامی نہایت مفصل، مبسوط اور سہل کتاب ہے، تو گو یہ واقعہ صحیح ہو، لیکن ایک مبتدی شرح جامی کو کہاں تک سمجھ سکتا ہے، اور اس سے کتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے، کسی صاحب عقل سے مخفی نہیں، پھر "وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ" اور "فَصَّلْنَاهُ تَفْصِیلًا" وغیرہ آیات سے یہ استدلال کہ قرآن جب سہل ہے، مفصل ہے، مکمل ہے، تو اس کے سمجھنے کے لئے، کسی شرح، کسی تفسیر، کسی حدیث کی ضرورت نہیں، کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

ایک پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے، کہ قرآن جب ایک مفصل اور مکمل کتاب ہے، اور ساتھ ہی اسقدر سہل، کہ ہر انسان بغیر کسی تفسیر اور امداد کے سمجھ سکے، تو رسول کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی، صرف قرآن بھیجدیا جاتا، سمجھنے والے سمجھ لیتے، اور عمل کرنے والے عمل کر لیتے، لیکن نہیں! خدا نے قرآن کے ساتھ، ایک معلم قرآن کو بھی بھیجا، جس نے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دی، قرآن کو سمجھایا، قرآن پر خود عمل کیا، لوگوں سے عمل کرایا، پھر آج یہ دعویٰ، کہ ہم قرآن کو بغیر حدیث کی مدد، اور بغیر رسول کی تعلیم کے سمجھے، یا سمجھ سکتے ہیں احسان فراموشی نہیں تو اور کیا ہے؟

کہا جاتا ہے کہ صرف اتباع قرآن ہی مامور من اللہ ہے، لیکن آج تیرہ سو برس سے مسلمانان عالم اتباع حدیث کو بھی مامور من اللہ سمجھتے رہے ہیں، سارا قرآن اس ذکر سے بھرا پڑا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران ۳۲)

آپ فرمادیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ معاف کریگا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے، آپ فرمادیں کہ اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر اعراض کریں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا



اس سے بڑھکر وجوب اتباع حدیث پر اور کیا شہادت ہوگی کہ خداوند جل شانہ نے اطاعت رسول پر اپنی محبت کا دارومدار رکھا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء ۹)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اسلئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے، اور جس وقت لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا آپکے پاس آتے پھر اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول بھی انکے لئے دعاء مغفرت کرتے تو بیشک اللہ کو معاف کرنیوالا مہربان پاتے، پس آپکے پروردگار کی قسم وہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں حکم نہ بنائیں اور پھر آپکے فیصلہ کو اپنے دلوں میں ذرا تنگی نہ پائیں، اور برضا و رغبت قبول نہ کرلیں۔

نص صریح شاہد ہے، کہ اطاعت رسول باذن الٰہی فرض ہے، اور مزید تشریح کیلئے یہانتک کہدیا گیا کہ "فلا وربك لا یؤمنون" الآیہ کہ جب تک آپس کے اختلافات اور جھگڑوں میں لوگ آپ کو حکم نہ بنائیں، اور آپکے فیصلہ کو برضا و رغبت بلا جبر و اکراہ قبول نہ کرلیں، آپکے رب کی قسم مومن نہیں ہو سکتے۔ اب یا تو یہ کہہ دیا جائے کہ یہ حکم موقت تھا، اور اب منسوخ ہے، یا اتباع حدیث و سنت کو فرض ماننا پڑیگا، کہ گو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں موجود نہیں، لیکن آپ کے اقوال و افعال تو موجود ہیں، جن کے آگے ہم اپنے اختلافات کو پیش کرکے فیصلہ حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال ۴)

اطاعت کرو خدا کی اور رسول کی، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ پراگندہ ہو جاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

منکرین حدیث ایک ہی ساتھ دو طرح کا ارتکاب جرم کرتے ہیں، ایک تو اطاعت رسول سے انحراف

دوسرے اجماع امت سے اعراض، اور یہ آیت وجوب اطاعت رسول، اور حرمت اختلاف اجماع پر فیصلہ ناطق ہے۔

حق یہ ہے کہ منکرین حدیث اتباع قرآن کے صرف زبانی دعویدار ہیں، یہ تو بزرگ، یہ خدا ترس بڑے متقی ان میں تھا جنھوں نے مصیبتیں جھیلیں، اذیتیں اٹھائیں، اور احادیث نبوی کو ایک ایک کر کے جمع کیا، تاکہ سمجھیں کہ اس پاک اور مقدس ہستی نے، جس پر قرآن نازل ہوا تھا، قرآن کو کیا سمجھا، اور اس پر کس طرح عمل کیا۔ اور پھر اپنے کو اسی بکر قرآن کے سانچے میں ڈھال دیں، اور ناممکن ہے، کہ اس طرح قرآن کا کوئی گوشہ، کوئی جزو عمل و اطاعت سے بچ جائے، بخلاف اس کے انکار حدیث میں یہ خطرہ حد سے سوا بڑھ جاتا ہے، کہ کہیں بہت سے احکام الٰہی قصور فہم کے باعث عمل و اطاعت سے رہ نہ جائیں، کہ فہم انسانی متفاوت ہیں، اور نفس لعین دشمن در بغل، ہو سکتا ہے کہ قرآن میں آپ کو بہت سی باتیں ایسی نظر آتی ہوں جہاں تک دوسروں کی رسائی نہ ہو سکی ہو، یا دوسروں کی نظریں وہاں تک پہنچ گئی ہوں، جو آپ کی نظروں سے مخفی ہوں، مثلاً ایک منکر حدیث نے نہایت زور و قوت کے ساتھ عذاب و ثواب برزخ سے انکار کیا ہے، اور ایک دوسرے بزرگ انتہائی زور و شدت کے ساتھ عذاب و ثواب برزخ کو ثابت فرماتے ہیں، دونوں حدیث کو ہاتھ تک نہیں لگاتے، اور دونوں ہی کا ماخذ قرآن ہے، اب اس اختلاف کیلئے کون حکم بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، قرآن تو خود معرض نزاع میں ہے، حدیث کو آپ مانتے نہیں، اجماع امت اور کثرت آراء آپکے نزدیک کوئی چیز نہیں، پھر یہ جھگڑا کس طرح طے ہو؟

یا محض اتباع ہوائے نفسانی ہیں، مذہبی قیود اور پابندیوں سے آزادی کے لئے قرآن میں اجتہاد شروع کر دیا جائے، جیسے کچھ عرصہ ہوا، کہ ایک بے قید رسالہ نے قرآن کی رو سے یہ دعویٰ کیا، کہ نماز پنجگانہ نہیں، سہ گانہ فرض ہیں، اور روزے صرف ۹ دن کے۔ اب بتائیے منکرین حدیث کے پاس جواب ہی کیا تھا، حدیث سے وہ تامل کرتے رہے، قرآن میں اس مدعی باطل نے کتر بیونت کر کے رکھ دی، اور یہ ردی راہ



تو خود انھیں کی ایجاد ہے، آخر ان مدعیان خدمت قرآن سے سکوت کے سوا کچھ نہ بن پڑا، اور جواب دیا گیا۔ تو انھیں متبعین حدیث کی طرف سے جو مورد لعنت اور نشانۂ ملامت ہیں۔

انکار حدیث کی ایک وجہ وضع احادیث بھی قرار دی گئی ہے، لیکن عقل والوں کے لئے خود اس میں بھی درس عبرت ہے، نہ کہ جائے انکار و احتراز، کہ وہ زمانہ چونکہ خیر القرون سے ملحق تھا، اس لئے وہ شخص بھی جو فتنہ و فساد کی غرض فاسد لیکر کھڑا ہوتا، اطاعت رسول اور اتباع حدیث کے انکار سے ڈرتا تھا، کہ دنیا و دین میں کہیں ٹھکانا نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ وضعی احادیث ہی سے سہی، انھیں اپنے کو متبع حدیث کی حیثیت سے پیش کرنا پڑتا، گو یہ سودا بہت گراں تھا، اور وہ خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق ہوئے، لیکن اب زمانہ کافی ترقی کر چکا ہے، مغرب کی ہوائے آزادی سے مشرق پوری طرح متاثر بلکہ مسحور ہو چکا ہے۔ اس لئے مذہبی قیود اور پابندیاں بہت بھاری اور بوجھل بیڑیاں ہیں، جن سے گریز کے لئے سب سے کامیاب اور تیر بہدف نسخہ انکار حدیث تھا، کہ جب تک احادیث نبوی کے وجود کو نہ مٹا دیا جائے، قرآن میں اپنے مطلب کے مطابق اجتہاد و تاویل کی گنجائش نہیں نکل سکتی، حالانکہ اگر کھلم کھلا دین و مذہب یا اتباع قرآن ہی سے انکار کر دیا جاتا، تو اس سے کہیں بہتر تھا، کہ قرآن کو اپنی ہوا و ہوس کے لئے بازیچہ، اپنے اجتہاد و اختراع کیلئے تختۂ مشق بنایا جائے، لیکن اس صورت میں نہ اپنوں میں قدر رہتی، نہ غیروں میں اور غیروں کی قدر دانی تو محض اسی حد تک ہے، کہ مسلمان رہکر اسلام کی بیخکنی کرو، اور مسلمانوں کو برا بھلا کہو۔

یہ تمہید محض اس لئے تھی، کہ آج کی صحبت میں ناظرین کا تعارف اسی قسم کی ایک کتاب سے کرانا ہے، اور سلسلۂ تمہید یہ چند باتیں اس لئے گذارش ہوئیں، کہ روئے سخن ذاتی اور شخصی حدود سے باہر عام منکرین حدیث سے ہے، ایسا نہ ہو کہ مصنف علام جن کا میں دل سے احترام کرتا ہوں، اسے اپنی ذات گرامی پر محمول فرمائیں۔

تقریباً ایک سال ہوئے، کہ شمس العلماء حافظ سید محب الحق صاحب پر فضا پٹنہ نے ایک کتاب

"بلاغ الحق" شائع فرمائی ہے، جناب حافظ صاحب قبلہ کے علم و فضل، قرآن فہمی، بصیرت قرآنی سے زمانہ واقف ہے، خصوصاً ہم جیسے مخلصین کیونکر منکر ہو سکتے ہیں، لیکن افسوس!

کاین رہ کہ تو می روی بترکستان است

کا مضمون، جناب موصوف پر بھی صادق آتا ہے۔ جناب حافظ صاحب کو یہ شکایت اور حسرت ہے کہ میری کتابوں کا جواب کسی نے سنجیدگی کے ساتھ نہیں دیا، اس لئے میرا خیال تھا، کہ اپنے اختلافات کو اس انداز اور سہولت سے جناب مصنف کی خدمت میں پیش کروں، کہ کچھ نتیجہ خیز ہو۔

یہ کتاب ۱۹۶ صفحات پر تمام ہوئی ہے، سب سے پہلی بحث اتباع حدیث و سنت سے متعلق ہے بلکہ ساری کتاب میں اسی ایک مضمون کی بار بار تکرار ہے، پھر عقائد، عبادات، معاملات، اور حلال و حرام وغیرہ عنوانات کے تحت، دلائل قرآنی سے استنباط مسائل فرمائے ہیں، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ صرف قرآن ہی تمام مسائل فقہیہ کے لئے کافی اور بس ہے، حدیث و سنت کی مطلقاً حاجت نہیں، حالانکہ اکثر مقامات میں دانستہ یا نادانستہ طور پر آپنے حدیث و سنت سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

"عرض حال" سب سے پہلے عرض حال کے عنوان سے جناب مصنف نے صوبے باہر اپنی پہلی تصنیفات کی مقبولیت کا ذکر، اور اہل بہار کی ناقدردانی کا گلہ کیا ہے، حالانکہ یہ بات ٹھنڈے دل سے سوچنے کی تھی، کہ باستثنائے شخص واحد، پورے صوبہ میں کوئی بھی آپ کا ہمخیال کیوں نہ ہو سکا، اور کسی نے بھی جناب کی تصنیفات کی قدر کیوں نہ کی؟ کہیں یہ شکایت بحسبون انهم يحسنون بالم یفعلوا کے تحت میں تو نہیں ہے۔؟

اس کے بعد جناب مصنف پنجاب کے ایک مولانا کی شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"وہ شرعۃ الحق پر اعتراض کرنے، اس کا جواب دینے، اس کو باطل ٹھہرانے کو ڈنکے کی چوٹ



کھڑے ہوتے ہیں...... بعض بعض جگہوں پر جواب دیا گیا، جواب کیا ذاتیات پر حملے کئے گئے، فرقہ پرستی کے جوش میں برا بھلا کہا گیا...... دوستو! یہ جواب نہیں تردید نہیں، جواب اور چیز ہے، اور دل کے پھپھولے توڑنا اور بات، مگر اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا، قرآن کا بطلان تو گویا کفر کا خزینہ تھا۔" انتہیٰ

گویا آپ کی تصنیفات بھی قرآن ہیں، اور آپکے خیالات وحی، باقی، کہ آپ کی تصنیفات کا منکر قرآن کا منکر اور آپکے خیالات کے آگے سر نہ جھکانے والا کافر، اور یہ میری محض لفظی گرفت نہیں، بلکہ آگے چل کر جناب مصنف نے مزید صراحت کے ساتھ یہی دعویٰ کیا ہے:-

"اپنے تجربہ کی بنا پر میں جانتا ہوں کہ لوگ بجائے اس کے کہ قرآن کے آگے سر جھکائیں، مجھے برا بھلا کہنے کو کھڑے ہوں گے اور بنایا گیا تو آپ اٹھائیں گے، کیونکہ میں نہ کسی بات کا مدعی، نہ میرا کچھ دعویٰ، میرا دعویٰ وہی ہے جو قرآن کا دعویٰ"

لیکن اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے، کہ آپ کا دعویٰ عین قرآن کا دعویٰ ہے، اور آپکے تمام قرآنی اجتہاد قرآن کی طرح اٹل ہیں، ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے، کہ قرآن کی رو سے نمازیں صرف تین وقت کی فرض ہیں، تو کیا یہ دعویٰ قرآن کا دعویٰ، اور اس قول کا منکر قرآن کا منکر ہے، ایک طالب قرآن اور مبلغ قرآن کی زبان سے ایسے بلند بانگ دعویٰ پر مجھے افسوس ہے، علمائے متقدمین، اور ائمہ مجتہدین جنھوں نے قرآن میں غور و فکر کی انتہا کر دی، اور قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اپنی پوری زندگیاں وقف کر دیں، ان میں سے کسی نے بھی اپنے دعویٰ کو قرآن کا دعویٰ اور اپنے منکر کو قرآن کا منکر نہ کہا، اسی لئے ان پر قرآنی حقائق و معارف اور اسرار و رموز اس طرح روشن ہوئے، کہ مجتہدین عصر آج بھی انھیں کی تحقیقات کو رنگ آمیزیوں کے ساتھ اپنی تحقیقات کہکر پیش کر رہے ہیں۔

آپ کی تحقیقات سے اگر کوئی اختلاف کرے، اور آپ کی تصنیفات پر اعتراض کرے، تو وہ ذاتیات پر حملے کرتا ہے، دل کے پھپھولے توڑتا ہے، لیکن آپکے اعتراضات کی زد جو ائمہ مجتہدین علمائے محققین

فقہائے متقدمین تک پہنچتی ہے یہ کوئی چیز نہیں، اور آپ کا یہ نشتر جو شہ رگ پر پڑ رہا ہے، نشتر نہیں مرہم ہے۔ "مشتے نمونہ از خروارے"۔

"قیامت کے دن خدا اس کا فیصلہ کریگا کہ حدیث کا بدیل قرآنی تنقید کرنیوالا، یا حدیث کو کتاب اللہ اور کتاب رسول اللہ ہونے کا منکر، اور ظنی سمجھنے والا کافر ہے یا قرآن کی آیتوں کا منکر، یا قرآن کی آیتوں کے ٹکڑے کرنے والا یا قرآن کی آیتوں کو بغیر خود خدا کے منسوخ کئے ہوئے، جو خود اس نے نہ کیا، اپنی رایوں سے منسوخ کرنیوالا، اور حدود قرآنی کو بدل جانے، روایت کم و بیش کرنے والا، اور خدا کے احکام میں اوروں کو شریک کرنے والا کافر ہے"۔ ص ۸

یعنی آپکے سوا ساری دنیا کافر ہے، بلکہ ائمہ مجتہدین، اور علمائے محدثین سب سے بڑے کافر کہ انہیں نے فقہ اور حدیث کی تدوین کرکے کفر کی تبلیغ کی اور کفر پھیلایا، نعوذ باللہ، ص ۳۳ پر ارشاد ہوتا ہے۔

"پھر حدیث کو ظنی کہتے ہو تو اس کو قطعی قول رسول کیوں سمجھتے ہو یوں کیوں نہیں کہتے کہ رسول نے یوں فرمایا ہوگا، جو اقتضائے ظن ہے، کیونکہ موضوعات کے رواج کے بعد حدیث جمع ہوئی پھر جو بات رسول اللہ نے نہ فرمائی ہو، اس کو اپنے ساتھ وہم و ظن کی حالت میں منسوب کرنا رسول کی شان کے خلاف، رسول پر افترا اور کئی حدیث ہی کی رو سے جہنم کی راہ نہیں"۔

آپکے نشتر زنی کی حد یہیں تک ختم نہیں ہوتی، بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی ہاتھ صاف کرنے سے باز نہیں آتے۔

"دین میں خلافت کا منصب داخل کیا گیا، قرآن سے نہیں حدیث سے، اس سے فرقے بنے، اور لا تفرقوا کی نافرمانی کی گئی"۔

اس سلسلہ میں آپنے اپنی تصنیفات اور خیالات کی قطعیت کیطرف لوگوں کو مائل کرنے اور اطمینان عام کے لئے چند تقریظیں بھی رقم فرمائی ہیں، جنمیں سب سے نمایاں اور پر زور طریقہ پر جناب مولانا حضرت شاہ بدرالدین صاحب



سابق سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف و امیر شریعت صوبہ بہار و اڑیسہ کی تقریظ پیش کی گئی ہے کہ انھوں نے میری دونوں کتابیں شرعۃ الحق اور منہاج الحق کو چھپنے کے قبل بار ہا تقاضا فرماکر طلب فرمایا، اور میری زبان سے من اولہ الی آخرہ سنکر عند اللہ یہ رائے دی، کہ مجھے پیری مریدی کے مسئلہ کے سوا ساری کتاب سے اتفاق ہے کہیں اختلاف نہیں"۔

غرض یہ ہے کہ جب آپنے اتنی زحمت اٹھائی اور حضرت امیر شریعت نے "من اولہ الی آخرہ" سننے کی تکلیف گوارا فرمائی اور عند اللہ انھیں آپکے خیالات سے اختلاف بھی نہ تھا، تو پھر اس زبانی تقریظ کے کیا معنی۔

آج جبکہ حضرت امیر شریعت علیہ الرحمہ ہم لوگوں میں موجود نہیں، اور نہ ان کی مہر کردہ تقریظ آپکے پاس ہے۔ آپ کو کیا حق ہے کہ ان کی طرف کسی قول کو منسوب کریں؟ جس طرح منتبعین حدیث سے آپ رسول کی مہر کردہ حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، کم از کم آپ کو اپنے خیال اور اصول کے مطابق اتنی احتیاط ضروری تھی، ورنہ "یقولون ما لا یفعلون" کا مظہر بننے سے کیا فائدہ۔

علاوہ ازیں آپ کی یہ روایت درایتاً بھی صحیح نہیں، کہ دنیا جانتی ہے، کہ حضور امیر شریعت علیہ الرحمہ کس قدر صحیح الخیال، کتنے راسخ العقیدہ، کیسے صاحب علم و فضل بزرگ تھے، اور پھر آپ کی یہ تقریظیں آپ کے اصول و عقیدہ کے مطابق بھی ناقابل قبول ہیں، کہ یہ خبر احاد ہیں اور خبر احاد ظنی اور کذب و افتراء، اور ان الظن لا یغنی من الحق شیا۔

آگے چل کر آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں خدا کے آگے سرجھکا کے سب سے بے نیاز قرآن مجید کی تبلیغ جو کرتا رہا ہوں کرتا رہوں گا"۔

آپنے اتنے عرصہ تک جو کچھ کیا، قرآن مجید کی تبلیغ کے لئے نہیں، اپنے خیالات و عقائد کی تبلیغ کے لئے کیا، آپ کی تمام تر تصنیفات اس کی شاہد ہیں، خدمت قرآن یا تبلیغ قرآن کے معنی یہ ہرگز نہیں ہو سکتے کہ

کسی خاص خیال اور عقیدہ کو لیکر قرآن میں تفکر و تدبر کیا جائے، یہ تو قرآن کے ساتھ کھیلنا ہوا، اور اپنے خیالات و عقائد کا قرآن کو تابع بنانا، اور اس تعصب کے ساتھ قرآن کے حقیقی مفہوم تک پہونچنا معلوم!!

اسی طرح آپ کا یہ دعویٰ بھی مجرد دعویٰ ہے، کہ "میرا کام فرقہ سازی نہیں، بلکہ حسب منشاء خداوند جل وعلا فرقہ شکنی ہے۔" کہ اگر اس کو حقیقت سے کوئی لگاؤ ہوتا، تو تمام مسلمانوں سے علٰحدہ راہ اختیار کرنے، اور سب سے جدا ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کا کیا مطلب؟ حدیث سے کسی تعصب اور نفرت کے بغیر بھی آپ قرآن کی یہی خدمت کر سکتے تھے، اور کرنے والے کر رہے ہیں۔

(باقی)

---

# دائرہ حمیدیہ کی ایجنسی

## لاہور میں

لاہور میں دائرہ حمیدیہ کی تمام اردو مطبوعات اور الاصلاح کی ایجنسی قائم ہو گئی ہے، وہاں سے مندرجہ ذیل کتابیں اپنی اصلی قیمت پر ملیں گی جو لوگ مزید مصارف کے متحمل نہیں ہو سکتے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| تفسیر سورہ فیل | ۶/ | تفسیر سورہ اخلاص | ۵/ |
| تفسیر سورہ کوثر | ۶/ | تفسیر سورہ کافرون | ۴/ |
| تفسیر سورہ لہب | ۲/ | الاصلاح فی پرچہ | ۲/ |

ملنے کا پتہ:- محمد عمر خاں نیوز ایجنٹ کالج بک اسٹال چوک نیلا گنبد انارکلی کچہری لاہور۔



# موعظۂ حسنہ

## بنیادی رذائل

(۲)

از جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب اصلاحی

**کھانے کی طمع** پرخوری کا روگ ان افراد میں ہوتا ہے، جن کے احساسات و میلانات پست اور جن کے جذبات و وجدانات پژمردہ ہوتے ہیں، جن کے ذہن سے فکری بلندی اور روحانی ترقی کے خیالات محو ہو جاتے ہیں اور جن کی زندگی کا مقصد بجز انواع و اقسام کے کھانوں سے مزہ لینے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کھانوں کی لالچ ایسی برائی ہے جو معنویات کے شوق کو بالکل مردہ کر دیتی ہے۔ جب کسی شخص کے معنوی مقاصد کمزور ہو جاتے ہیں تو مادی مقاصد کا زیادہ زور ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات یہ مادی مقاصد صرف کھانے کی اشتہا کے اندر سمٹ کے رہ جاتے ہیں

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ کھانے کی طمع ایک ایسی بیماری ہے جو تمام حواس پر مستولی ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کا اثر انسان کی مزاجی خصوصیات پر نہایت گہرا پڑتا ہے۔

ثقیل اور مرغن کھانوں میں اسراف کی وجہ سے انسان اپنی جنسی خواہشوں کی تکمیل میں نڈر اور مسرف ہو جاتا ہے۔ زندگی کو ایک متاع سمجھ کر افراط سے کام لیتا ہے۔ اور اس طرح اس کے دل کے اندر احساسات کے تمام سرچشمے خشک ہو جاتے ہیں، جذبات میں درشتی آ جاتی ہے۔ اور اس کا دل پتھر ہو جاتا ہے، اور وہ رفتہ رفتہ ابتدائی حیوانی فطرت کی طرف جھکنے لگتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جو شخص لالچ کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے، وہ خود پرستی کا ایک پیکر ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے درد دکھ پر نہ توجہ کرتا ہے اور نہ ان کے بارے میں سوچنے کی زحمت برداشت کرتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ دوسروں کی بڑی سے بڑی مصلحت میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی قربانی بھی کرسکے۔ یونانیوں اور رومیوں میں جب لالچ عام ہوئی تو اس کا دردناک انجام یہ ہوا کہ ان کی وطنی اسپرٹ کمزور ہوگئی۔ لذیذ کھانوں کی چاٹ نے افراد کے اندر سے قربانی کا جذبہ مٹادیا۔

پس پرخوری ایک ایسا مرض ہے جو فرد اور سماج دونوں کے لئے یکساں مہلک ہے۔ فرد کے اندر اس سے خرابی جگر، شکر، ضعف دم اور ضعف قلب کے امراض پیدا ہوجاتے ہیں اور انہی کے ساتھ ساتھ ان کے لازمی نتائج یعنی سستی۔ استرخا، اور مردنی وغیرہ۔ اور سماج پر اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اپنے بلند مقاصد سے بے پروا ہوجاتی ہے۔ کیونکہ افراد اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں وہ زندگی کے لمحات کو غنیمت سمجھکر ان کو لذتوں میں گذارنا چاہتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ کھانے کی خواہش میں حد سے تجاوز کی وجہ سے دوسرے میلانات اور خواہشوں میں بھی بے اعتدالی کی عادت پڑجاتی ہے۔ اور اس خواہش میں اعتدال پیدا کرنے سے دوسرے میلانات میں بھی اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ اعتدال دلیل ہے اس بات کی کہ انسان اپنی طبیعت کو قابو میں رکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور چونکہ اعتدال دلیل ہے طبیعت پر قابو کی؛ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ طامع اور پرخور شخص حضریت کی خصوصیات سے بالکل محروم ہے کیونکہ حضریت نام ہے اعتدال کا یا دوسرے لفظوں میں انسان کے اپنے نفع ونقصان سے واقف ہونے کا۔

جو مریض اس مرض کے شکار ہیں ان کی اصلاح کی صرف ایک شکل ہے کہ ان کے دل ودماغ کو مطالعہ اور فنون وغیرہ سے دلچسپی لینے کی طرف مائل کیا جائے۔ اس طرح ان کو آہستہ آہستہ یہ احساس ہونے لگے گا کہ اس دنیا میں کھانے پینے کی لذت سے بڑھکر بھی لذتیں ہیں اور وہی اصلی لذتیں ہیں۔



**حسد**

حسد کا جذبہ اس شخص میں پیدا ہوتا ہے جو اپنے دل کا اعتماد کھو دیتا ہے، جسے اپنی آرزوؤں کی تکمیل میں اپنی قوتیں عاجز ودرماندہ نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے مقصد کے حصول میں کچھ کرنے کے بجائے صرف ایسے لوگوں کی ٹوہ میں رہتا ہے جنھوں نے کامیابی حاصل کرنے میں اپنی عمر اور اپنی قوت کا بہترین حصہ قربان کیا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کا مرتبہ گھٹ جائے۔ انکی شان میں فرق آجائے اور وہ عام نگاہوں میں شعبدہ باز اور فریبی معلوم ہونے لگیں۔

درحقیقت حسد ایسا جذبہ ہے جو ولولہ کو مٹادیتا ہے اور ہمت کو فنا کردیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ بیوقوفی، کاہلی اور بدحواسی کے عالم میں پڑے رہنے پر مجبور کردیتا ہے۔ علاوہ بریں اس جذبہ کی وجہ سے انسان کے اندر خبث پیدا ہوجاتا ہے، اس کے تمام اخلاق پر کذب ونفاق کا تسلط ہوجاتا ہے۔

یہ بدیہی ہے کہ حاسد خود اپنے اندر کامرانی سے ہمکنار ہونے کی کوئی قوت نہیں رکھتا۔ وہ ساری قوت کامیاب کی ایذا رسانی میں صرف کردیتا ہے۔ کامیاب آدمی کا وہ جانی دشمن ہوتا ہے، وہ لوگوں کو اپنا طرفدار بنانے اور مکارانہ چالیں چلنے میں مستغرق رہتا ہے، اور جہاں اسکو موقع مل جاتا ہے اپنے ارادہ میں قضا وقدر کیطرح بیباک ہوتا ہے۔

حاسد کامیابی حاصل کرنے کی کوئی قوت نہیں رکھتا ہے اس لئے چاہتا ہے کہ کسی قریب ترین راستہ سے اس تک پہنچ جائے، یعنی وہ چغلخوری، سازش، اور بڑوں کی خوشامد وتملق سے میدان جیتنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جس کے دل میں حسد کا جذبہ گھر کرلیتا ہے اس کو اسی میں مزہ ملنے لگتا ہے۔ اور اس جذبہ کی آخری حد یہ ہے کہ حاسد صرف کسی مخصوص ومتعین شخص ہی کو برا نہیں سمجھتا ہے بلکہ اسے ہر باعمل اور کامیاب انسان سے نفرت وعداوت ہوتی ہے۔ اس وقت حاسد بالکل ایک مریض ہوتا ہے۔ اس کے اخلاق سے وحشت ٹپکتی ہے۔ اس کے پاکیزہ اور نرم جذبات پژمردہ ہوجاتے ہیں اور بالآخر اس کا یہ روگ ترقی کرکے اسے ارتکاب جرم کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔

شیکسپیر نے اپنے ڈرامہ "عطیل" میں، یاجو کی شخصیت میں جذبہ حسد کی ہلاکت آفرینیوں کی پوری تصویر کھینچ دی ہے۔

یاجو غصہ سے بے تاب ہے۔ حاسدانہ بے بسی نے اسے مجنون بنا دیا ہے۔ اسے مشیل کاسیو سے حسد ہے۔ چاہتا ہے کہ اسے ہٹا کر عطیل کے ہاں خود اس کی جگہ لے اور علمبرداری کی خدمت اسے تفویض کر دی جائے۔

یہ ارادہ کرتا ہے اور حریف کے خلاف لگانے بجھانے کی تمام سازشوں میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ بڑھ کر عطیل کے کانوں میں کہتا ہے کہ مشیل کاسیو اس سے گھات کر رہا ہے۔ اس کو دغا دے رہا ہے اور اس کی بیوی کو بری نظر سے دیکھتا ہے۔ یاجو یہ خوب جانتا ہے کہ عطیل غیرتمند ہے، اس کے کہنے سننے سے کاسیو کو قتل کر دیگا مگر باوجود اس کے اس کو اپنی حرکت پر کچھ افسوس نہیں ہوتا کیونکہ حسد نے اس کو دیوانہ بنا دیا ہے اور اسے حد جرم تک پہنچا دیا ہے۔

لیکن بالآخر عطیل پر اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ یاجو کو کاسیو سے قتل کرا کے اس کی اس حرکت کی سزا دیتا ہے۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ حاسد کا قدم آخر میں پھسلتا ہے، اس کی رسوائی ہوتی ہے، لوگ اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، کیونکہ بے بسی سے کوئی ٹھوس کامیابی حاصل نہیں ہوتی، بغض، فریب اور غیبت ذہنی، طاقت شخصی بلندی، اور قابلیت کی جگہ نہیں پا سکتے۔

حاسد کی امیدوں کا منتہا یہ ہوتا ہے کہ وہ کامیاب اور دوسروں کا ہمسر ہو جائے۔ جب اپنے اندر کی قوت نہیں پاتا تو دوسروں کی ادھیڑبن پر اتر آتا ہے، اس لئے کھلم کھلا اس کے مقاصد پوری سوسائٹی کے نظام سے ٹکراتے ہیں۔

**تکبر** یہ خوبی کی صفت ہے کہ تم خوددار بنو، لیکن یہ بہت برا ہے کہ تم متکبر بن جاؤ۔

خودداری نام ہے پستیوں سے ترفع، شرف کے احساس اور عزت نفس کے خیال کا، لیکن تکبر تمہارے اور لوگوں کے درمیان ایک برزخ ہے۔ تم لوگوں کو حقیر و پست سمجھنے لگے ہو، لوگوں پر اپنی بڑائی



کا اظہار کرتے ہو، ان کی عقلوں کا استخفاف کرتے ہو، ان کے مراتب سے بے پروائی برتتے ہو اور اپنے تئیں اپنا اور دوسروں کا فرمانروائے مطلق خیال کرتے ہو۔

قدیم زمانے کے امرا میں یہ برائی بہت تھی۔ اسکی وجہ سے ان کے درمیان بغاوتوں کی آگ بھڑکی، تخت شیرازۂ سلطنت بکھر گیا، ان کے ملک تباہ ہو گئے اور ان لڑائیوں میں ان جنگوں سے کہیں زیادہ خون بہایا گیا جو ذہنی تعصب اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے لڑی گئیں۔

تکبر فرد کو جماعت سے بالکل علیحدہ کر دیتا ہے۔ متکبر کا دل ہمدردی کے جذبہ سے خالی ہوتا ہے۔ اسکی نظروں میں بہت سے خیالی حقوق پیدا ہو جاتے ہیں جن کے حصول کے لئے وہ عام لوگوں سے لڑ کر کوشش کرتا ہے۔ گذشتہ زمانہ میں امراء کے مخصوص امتیازات نے تکبر کی تخلیق کی تھی۔ انھوں نے اپنے اور دوسرے طبقوں کے درمیان حدود قائم کئے، جس کی وجہ سے بہت سی مصیبتیں پیش آئیں۔

بڑے سرمایہ داروں اور اعلیٰ عہدے رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کا سر غرور سے پھرا رہے، ان کی ذہنیت بالعموم قدیم زمانہ کی ارسٹوکریٹک ذہنیت کے مشابہ ہوتی ہے۔ وہ جماعت کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس سے الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش صرف یہ ہوتی ہے کہ اپنی پوری قوم کو اپنے آگے سربسجود دیکھیں

جو لوگ ایسے متکبرین کے مقرب ہوتے ہیں۔ ان میں تملق و خوشامد کی عادت ہوتی ہے۔ متکبر اپنے حاشیہ نشینوں کی خوشامدوں سے نہایت محظوظ ہوتا ہے۔ اور یہ ذوق جتنا ہی بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اس کے اندر سے عمل، قابلیت اور خدمت کے جذبات فنا ہوتے جاتے ہیں۔

متکبر خوشامد کی قدر قابلیت سے زیادہ کرتا ہے، کیونکہ خوشامد کا مرجع خود اس کی ذات ہوتی ہے اور قابلیت کی تمام سرگرمیاں دوسروں کے لئے ہوتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص کا دماغ اس درجہ بگڑ جائے وہ اپنے لئے اور دوسروں کے لئے یکساں خطرناک ہو جائے گا۔

خود اس کے لئے خطرہ ہے کہ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں اپنی کمزوریوں کے مواقع کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ وہ کرتا ہے غلطی اور سمجھتا ہے کہ ٹھیک کام کر رہا ہے۔ عمل کی نمائش کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہی عمل ہے۔ خوشامدیوں کو مقرب بناتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ارباب علم و عمل کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔

اسی لئے مصلحین متکبرین سے بہت ڈرتے ہیں۔ لیکن خوشامدی ایسے ہی احمقوں کی تلاش میں رہتے ہیں کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ایسے سرپھروں کو بیوقوف بنا کر ان سے اپنا مطلب نکال لینا بہت آسان ہے۔

تکبر خواص و عوام میں سے جس کے اندر بھی ہو ایسی رذالت ہے جو خود پسندی سے پیدا ہوتی ہے اور ظلم و قساوت اس کے لوازم میں سے ہے۔ اسی کی وجہ سے اندھا ہوتا ہے اور اپنے نقائص کو دیکھنے سے بالکل قاصر۔ تکبر اس کے اخلاق کو بالکل مسموم کر دیتا ہے۔ اور وہ خوشامد اور تملق کو ضرورت اور مصلحت عامہ پر ترجیح دیتا ہے۔

تکبر کا علاج یہ ہے کہ متکبر، جبکہ وہ خاکساروں کی جماعت سے ہو، ہفتہ میں ایک بار عام قبرستان میں جا کر دیکھے جہاں بڑائی اور عظمت کے تمام منارے یکساں سرنگوں نظر آتے ہیں۔ اور سب کے سب سڑنے اور فنا ہونے میں یکساں ہیں۔ اس وقت متکبر کو اپنے نفس کے حدود کا علم ہوگا، وہ اپنی بے بسی کا اندازہ کرے گا۔ اور ہمدردی و مساوات کی ضرورت کو سمجھ سکے گا۔

یہی رذائل کبریٰ ہیں جن سے اور رذائل وجود میں آتے ہیں۔ یہ تھوڑے بہت ہم میں سے ہر انسان کے اندر موجود ہیں۔ پس جو شخص جس قدر ان میں اصلاح کریگا وہ اسی قدر اچھے نمونے کے قریب ہوتا جائیگا اور جب صبر و ریاضت اور طویل مجاہدے سے ان میں سے ہر ایک سے چھٹکارا حاصل کرے گا تو وہ ہیرو اور مقدس ہو جائے گا۔ یہی روحانی کمال اور اعلیٰ انسانیت کی اصلی شاہراہ ہے۔

---



# حکمتِ غرب
## مارکس اریلیس کے خیالات

از
جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے

وہ شخص جو عقل اور اپنے اندرونی شرارۂ الوہیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اپنا مقدم فرض سمجھتا ہے وہ المیہ اداکار (ٹریجک ایکٹر) نہیں ہے۔ وہ نہ تو آہ سرد کھینچتا ہے نہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے نہ احباب کے جم غفیر کا متمنی ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں نہ تو موت کا جویاں ہوتا، اور نہ اس سے گریزاں۔ اس کیلئے یہ بات ذرا اہم نہیں کہ اسکی روح اس کے جسم میں ایک طویل مدت تک محبوس رہی یا قلیل مدت تک، اگر اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ایک لحظہ میں بعجلت تمام اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو وہ اس طرح رخصت ہو جائے گا گویا اس کے پیش نظر ایک مقصد متعین ہو چکا ہے جس کا حصول بطریق احسن ممکن ہے۔ جس کو اپنی ساری زندگی میں صرف اس بات کی ...... فکر ہوتی ہے کہ وہ اپنے دماغ کو کسی ایسی چیز کی طرف گمراہ نہ ہونے دے جو عقل اور عام اجتماعی زندگی سے بیگانہ ہے۔

---

تزکیۂ نفس اور صفائی قلب کے بعد انسان کے دل میں رستے ہوئے زخم یا ناسور اور چھپے ہوئے گناہوں کی نجاست کا وجود ناممکن ہے، اس ایکٹر کی مانند جو اپنے پارٹ کے مکمل ڈرامہ کے ختم ہونے سے پیشتر اسٹیج سے رخصت ہو جاتا ہے، ایسے انسان کا پیمانۂ حیات قبل از وقت لبریز

نہیں ہوگا۔ ایسا انسان تصنع اور غلامانہ فطرت سے یکسر پاک ہوتا ہے وہ نہ تو دوسروں میں ضم ہوتا ہے اور نہ ان سے بالکل بے تعلق، اور نہ وہ اپنی سیرت کے کسی عنصر کے باعث محاسبہ سے خائف یا نگاہ عام سے پوشیدہ رہنا چاہتا ہے۔

---

اس ذہنی قوت کا احترام کرو جس کی کارفرمائی فکر و آراء پر ہوتی ہے۔ اس میں ایسی مکمل طاقت ہوتی ہے کہ ہر اس رائے کو جو فطرت اور انسان کے نظام جسمانی سے بے میل ہوتی ہے اس کو عقل کی قوت پر ذرا اثر انداز نہیں ہونے دیتی۔ فیصلہ میں محتاط، انسان سے مانوس اور خدا کا فرمانبردار بندہ ہونا اسی قوت مدرکہ کا عطیہ ہے۔

---

جو خیال دماغ میں پیدا ہو ہمیشہ اس کو بصراحت متعین کرلو اور اس کا خاکہ تیار کرلو۔ اور کل تجزیہ اور اس کی ماہیت پر غور کرو، اس کے تمام اجزا پر فرداً فرداً اور مجملاً گہری نگاہ ڈالو کل اور اسکان تمام اجزا ترکیبی کے صحیح نام کی تکرار دماغ میں بار بار کرو جو بعد کو کل میں تحلیل ہوجائیں گے۔ اگر ہم ان چیزوں کی تحقیقات جن پر زندگی میں ہماری نظر پڑتی ہے، ضمیر اور ضابطہ کے مطابق کریں تو اس سے زیادہ کوئی شے ہمکو عالی منش نہیں بنا سکتی بشرطیکہ ساتھ ہی ساتھ ان چیزوں پر عادتاً اس طرح نظر ڈالی جائے کہ دنیا کی ہر چیز کا فعل، دنیا کی فطرت اور یہ بات اچھی طرح واضح ہوجائے کہ دنیا انسان کے لئے اور دوسری چیزوں کے لئے کہاں تک مفید ہے۔

ہم کو ہر چیز پر اس پہلو سے بھی غور کرنا چاہئے کہ وہ حقیقتاً کیا ہے۔ جو اس وقت ہم پر اس طرح اثر انداز ہو رہی ہے، اس کے اجزا ترکیبی کیا ہیں؟ اس کا فطری دورِ زندگی کتنا ہے؟ اور یہ کن خوبیوں کو دعوت جنگ دیتی ہے۔ کیا یہ چیز حلم، جرات، صداقت، وفاداری، سادگی، خود اعتمادی اور



اس قسم کی دوسری خوبیوں کی حریف ہے۔ جیسی صورت حال رونما ہو، انسان کو اپنے فیصلہ پر پہنچکر اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ مثلاً یہ کہ "یہ خدا کی طرف سے ہے"۔ "یہ مصلحت الٰہی ہے جس کو مقدر، اتفاق اور افتاد کی گتھی نے میرے لئے مقسوم کردیا ہے"۔ "یہ ایک ایسے ہم وطن، ایک ایسے عزیز، ایک ایسے شریک کار کا عطیہ ہے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ کیا چیز اس کے فطرت سے ہم آہنگ ہے، وہ بے خبر ہے، میں واقف ہوں"۔ ان اسباب کی بنا پر اس کے ساتھ اجتماعی زندگی کے اصول کے مطابق، مہربانی اور انصاف کا سلوک کرو جو عین فطرت ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ غیر اہم چیزوں کی اضافی خوبیوں کو معلوم کرنیکی کوشش کرو۔

---

اگر عقل سلیم کے مطابق جوش، جانفشانی، مسرت کے ساتھ، فرو عی معاملات سے غیر متاثر ہوکر اپنے شرارۂ الوہیت کو اس قرض کی طرح جس کا مطالبہ کسی لحظہ ہوسکتا ہے، محفوظ اور پاک رکھکر تو اپنے پیش نظر کام میں استقلال کے ساتھ مشغول ہوجاتا ہے اور نہ کسی چیز کا منتظر ہے اور نہ اس سے خائف ہے بلکہ اپنی موجودہ فطری جد و جہد پر قانع اور صداقت تقریر کا سختی سے پابند ہے تو تیری زندگی مسرور ہوگی جس کی تکمیل مسرت میں کوئی شخص خلل انداز نہیں ہوسکتا۔

ان اطباء کی طرح جو ناگہانی امراض کے علاج کی غرض سے ہر وقت اپنے اوزار و نشتر اپنے پاس رکھتے ہیں تجھکو بھی اصول فلسفہ سے ہمہ وقت باخبر رہنا چاہئے تاکہ تو انسان اور یزداں میں تمیز کرسکے اور ہر کام کو، اسکی معمولی سے معمولی جزئیات کے اعتبار سے اس انسان کی طرح انجام دے سکے جو ان تعلقات سے واقف ہے جو خدا اور انسان کے درمیان رشتہ و ربط قائم رکھتے ہیں

گمراہیوں سے پرہیز کر۔ تو اپنی شرحوں قدیم یونان اور روم کے قصوں اور اس مجموعۂ نظم کو جو اپنی ضعیفی میں پڑھنے کیلئے تو محفوظ کر رہا تھا کبھی بھی نہیں پڑھیگا پس منزل مقصود کی طرف تیزی سے بڑھ۔ ان مہمل امیدوں کو چھوڑ دے۔ اگر تجھکو اپنی اور اپنے خاندان کی فکر ہے تو قبل اس کے کہ پانی سر سے گذر جائے تو خود اپنی حاجت روائی کر۔

جسم، روح و دماغ تین مختلف چیزیں ہیں۔ جس کا تعلق جسم سے، تحریک طبعی کا روح سے اور اصول کا دماغ سے ہے۔ ظاہری چیزوں کے اثرات جنگل کے حیوانات بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں تحریکات طبعی سے متاثر ہونا ایک ایسی قوت ہے جو بہائم اور ان لوگوں میں، جو مردانہ یا نسوانی خوبیوں سے محروم ہیں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ یہ فلارس① (Phalaris) اور نیرو② (Nero) جیسے ملحدین اور غداروں اور ان پست فطرت انسانوں میں بھی موجود تھی جو خلوت میں کسی مذموم فعل کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ اشخاص جنکا تذکرہ کیا گیا ہے، تمام مکروہات میں ملوث ہیں تو ایک مخصوص چیز باقی رہجاتی ہے۔ اور یہ چیز نیک سیرت انسان کی مخصوص ملکیت ہے یعنی اپنی عقل کی رہنمائی کے مطابق ان باتوں کو اختیار کرنا جنکو وہ اپنا فرض تصور کرتا ہے۔ اور اس چیز کا خیر مقدم کرنا جس کو مقدر نے زندگی سے منسلک اور وابستہ کر دیا ہے۔ اور چشمۂ الوہیت کو جو اس کے سینے کے اندر جاری ہے نجاست سے پاک رکھنا، اس کو ہجوم تاثرات سے متلاطم نہ ہونے دینا، اس کے سکون کو برقرار رکھنا، راضی برضا ہو صداقت و انصاف کے خلاف قولاً یا عملاً گناہ سے اجتناب کرنا۔

اگرچہ ساری دنیا ایسے شخص کے دعوٰی پر کہ وہ سادہ، باحیا اور مسرور زندگی بسر کرتا ہے جنسی یا مذاق اڑاتی ہے لیکن وہ اس جادۂ مستقیم سے ایک انچ نہیں ہٹتا۔ جو مقصد حیات کی طرف رہنمائی کرتا ہے یہ ایسا مقصد ہے جس کی غرض نفاست، سکون اور سفر آخرت کی مستعدی کے ساتھ فیصلۂ تقدیر سے بالکل راضی ہو کر جانا چاہئے۔ (باقی)

① Phalaris یکی گِس سسلی کا خود مختار فرمانروا جو عہد کو بیحد اشتعال مظالم کے باعث بیحد بدنام ہو چکا
② Nero خاندان سیزر کا آخری خود مختار فرمانروا جس کے مظالم ضرب المثل ہیں



# تلخیصات

## قرآن مجید اور موجودہ اثری تحقیقات

ہمارے مخدوم مولانا عبدالماجد صاحب مدظلہ، قرآن مجید کا جو ترجمہ انگریزی میں کر رہے ہیں اسکا ذکر کرتے ہوئے ۱۰ اپریل کے صدق میں فرماتے ہیں:-

تاریخی، جغرافی، اثری، حواشی کا کام اندازہ سے زیادہ پھیل گیا ہے، پھر بھی ابھی بڑی حد تک بالکل تشنہ ہے۔ ضرورت اس سلسلہ میں بہت بڑے گنجائش کی ہے، قرآن مجید کی جو مخصوص چیزیں اس میں ہیں، مثلاً قوم عاد، قوم ثمود، وغیرہا۔ ان کا تو یورپ علانیہ منکر رہے ہی، باقی جو چیزیں بائبل اور قرآن میں مشترک ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت موسیٰؑ وغیرہ کے اکثر قصص وغیرہ، ان سے بھی یورپ ان سے بھی، بلکہ ان کے مبادی سے بھی یکسر انکار کر بیٹھا، چنانچہ اس نے نہ صرف طوفان نوح کے وقوع سے (اسکی "عالمگیری" کا تو ذکر ہی نہیں) انکار کیا، بلکہ یہ بانگ پکار کر کہدیا، کہ "ابراہیم" ایک فرضی نام ہے، اس نام کا کوئی شخص تھا ہی نہیں۔ سب قصے بعد کو گڑھ لئے گئے ہیں"۔ مسیحی اور یہود علماء مذہب کا طبقہ بھی مسلمانوں ہی کے طبقۂ علما کیطرح "سائنس" کے نام سے مرعوب ہو۔ یہ بیچارے بھی بائبل کی تصریحات در تصریحات کے باوجود "سائنس" سے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے، سب نے اپنی اپنی کتابوں میں ترمیم شدہ عقائد پیش کرنا شروع کر دیئے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، انسائیکلوپیڈیا بیبلیکا، جیوش انسائیکلوپیڈیا، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن تک کے مقالات ہیں، اور سب سے بڑھکر حیرت انگیز یہ کہ ڈکشنری آف دی بائبل تک میں جو خالص مذہبی اشخاص کی تالیف ہے۔ یہی رنگ، تذبذب، تشکیک

وتردد کا صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔ انیسویں صدی کے ثلث آخر اور بیسویں صدی کے ربع اول کی مذہبی تصانیف، سب اسی معاندانہ نقطۂ نظر کا شکار ہیں۔ یہاں تک کہ زمانہ نے پھر ایک پلٹا کھایا اور اب ادھر چند سال سے علماء اثریات کے ماتحت جو کھدائی کے کام بہت زائد ہوئے، اور ماہرین اثریات کی تحقیق کا دائرہ وسیع اور عمیق ہوا، تو انکار پھر اقرار میں تبدیل ہونے لگا اور نابینائی کی جگہ بصارت لینے لگی۔ چنانچہ اب جو مقالات و تصانیف، سر چارلس مارسٹن اور سر لیونارڈ وولی وغیرہ جیسے چند ماہرین اثریات کے قلم سے نکل رہی ہیں، ان سب میں نہ صرف ابراہیم کی شخصیت کا اثبات شدومد کے ساتھ ہے، بلکہ ان کے شہر اُر کا پورا حلیہ، جزئیات و تفصیلات کے ساتھ از سرنو دریافت ہو گیا ہے۔ یہ ایک مسئلہ صرف بطور نمونہ و مثال کے عرض کیا گیا۔ اسی طرح ایک دو نہیں، بیسیوں بلکہ پچاسوں مقامات قرآن مجید میں آتے ہیں، جہاں بڑی ضرورت، بیسویں صدی کے شارح قرآن کے لئے یہ ہے کہ اگر وہ سیروا فی الارض کی تعمیل میں خود محقق سیاح نہ ہو، تو کم از کم اتنا تو ہو کہ امریکہ، برطانیہ، جرمنی فرانس، اطالیہ کے ماتحت کھدائی اور اثری تحقیقات کے جو عظیم الشان کام، شام میں، فلسطین میں، مصر میں، عراق میں، حجاز میں، یمن میں، انجام پا چکے ہیں اور روزانہ انجام پا رہے ہیں، ان سب سے خوب واقف ہو۔ تاریخ اپنے راز ایک ایک کرکے فاش کر رہی ہے، اور زمین ہے کہ اپنے دفینے اگلے دیتی ہے۔ اگلے شہر کے شہر، سیکڑوں نہیں ہزاروں برس کے مٹے ہوئے کھنڈر، از سرنو آباد ہو رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے عہد کی میونسپلٹی بلکہ اس وقت کی چنگی کی رسیدیں تک، دریافت ہو گئی ہیں

ضرورت صرف اس کی ہے، کہ کوئی دین کا خادم، اس سارے دفتر تحقیق سے، آیات قرآنی کے تازہ ترین شواہد فراہم کرتا رہے۔

---

تاریخی، جغرافی، واثری تحقیقات کا یہ دفتر بے پایاں، تو علمی "نقادوں اور روشن خیال"



معمدوں سے مقابلہ کے لئے پیش نظر ہونا چاہئے۔ لیکن اس کے علاوہ قرآن مجید کا ایک بہت بڑا حصہ، دوسرے ادیان و ملل، خصوصاً یہود و نصاریٰ، ثنویین و مشرکین عالم کے رد و اصلاح میں ہے۔ ان آیات کی تفسیر پوری وضاحت کے ساتھ ممکن نہیں، تاوقتیکہ شارح کی نظر ان عقائد باطلہ پر مفصلاً نہ ہو، اور پھر مذاہب شرکیہ کا تعدد، حد شمار سے خارج ہے۔ غریب مسلمان مفسر جس کی آنکھیں توحید اسلام کی گود میں کھلیں، تصور بھی نہیں کرسکتا، کہ شرک کے کیسے کیسے، اور ان گنت مظاہر ہیں۔ قرآن میں صفات باری و افعال باری سے متعلق جس قدر بھی آیات ہیں، ان سب میں ایک پہلو رد شرک کا بھی ہے۔ مثلاً جہاں جہاں اس مضمون کی آیتیں ہیں کہ اللہ آسمان و زمین کا پروردگار ہے (رب السموات والارض) یا اس نے انھیں پیدا کیا ہے (خلق السموات والارض) وہاں مفہوم میں ضمناً ان مشرکی قوموں کا رد بھی آگیا ہے، جنھوں نے آسمان و زمین کو غیر مخلوق مانا ہے، یا انھیں مستقل دیوتا قرار دیا ہے۔ اور پھر جہاں ان الفاظ کے ساتھ وما بینہما کا اضافہ ہے، یعنی اللہ خالق ہے آسمان اور زمین کا — اور ان کے مابین (درمیان) کا، وہاں شارح کی نظر اس حقیقت پر رہنی چاہئے کہ بہت سی متمدن و مہذب قوموں کا علاوہ آسمان و زمین کے ایک تیسرا مستقل معبود مستقل دیویاں تھیں۔ ان کے عقیدہ کی مظہر اس کے دو کے بیچ ہیں، جن کے فوٹو آج یورپ و امریکہ کی لکھی ہوئی تاریخ ادیان میں درج ہیں۔ مصری تثلیث کی شکل یوں درج ہے کہ اوپر ایک دیوی برہنہ قوس کی طرح، ایک طرف اپنی لمبی ٹانگیں کھڑی کئے ہوئے اور دوسری طرف اپنے لمبے ہاتھ لٹکائے ہوئے، اور وسط میں اپنا دھڑ پھیلائے ہوئے۔ اس کا نام آسمان ہے۔ اور دھڑ کے حصہ میں تارے دکھائے گئے ہیں۔ اس کے بالکل نیچے ایک طرف اس کے پیروں اور دوسری طرف اس کے ہاتھوں کو چھوتی ہوئی، دوسری دیوی کا نام زمین ہے۔ اور ان کے درمیانی فاصلہ کا احاطہ کئے ہوئے ایک تیسری دیوی کھڑی ہوئی ہے۔ وہی مابین، سموات والارض والی، ہاتھوں سے آسمان کو سنبھالے ہوئے اور پیروں کو

زمین پر جاتے ہوئے ملاحظہ ہو نقشۂ ذیل

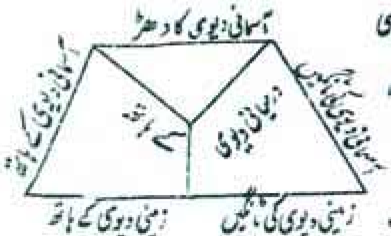


اسی طرح حق تعالیٰ کا بار بار یہ فرمانا کہ واپسی اسی کی طرف ہونا ہے، ہر امر اسی کے پاس آئے گا، (الیہ المصیر والیہ ترجع الامور) وغیرہ۔ ان قوموں کی تردید میں ہے، جو خدا کو خالق کائنات تو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ آخری پیشی اسکی عدالت میں نہیں، بلکہ فلاں دیوتا فلاں اقنوم کے ہاں ہوگی، اور جزا و سزا جو کچھ ہوگی، اسی فلاں کے ہاں سے ہوگی۔ علیٰ ہذا خدا تعالیٰ اپنے لئے صفات حیات و قومیت کا اثبات اپنے کو حی و قیوم کہلانا، ان گروہوں کے مقابلہ میں ہے جن کے عقیدہ میں، خدا پر ایک بار موت طاری ہو چکی ہے۔ یا ہر سال کسی نہ کسی قالب میں طاری ہوتی رہتی ہے۔ باوجود اپنے تکملہ کے لئے کسی نہ کسی دوسرے اقنوم کا محتاج ہے۔ یا جو خدا ہمیشہ سے موجود نہیں بلکہ کسی نہ کسی چیز سے پیدا ہوا ہے، مثلاً کنول کے پھول سے، یا کھیرے کے پھل سے وقس علیٰ ہذا صدہا، بلکہ ہزارہا حواشی، ان حقیقتوں کو پیش نظر رکھکر دینے پڑے ہیں۔

# اہل علم کی خصوصیات

ذیل میں ہم، اصحاب علم کی خصوصیات اجمالاً ذکر کرتے ہیں:-

(۱) عزلت پسندی۔

صاحب علم بالطبع زاہد، متقشف، سوسائٹی کی مرغوبات سے متنفر، گوشۂ تنہائی میں زندگی گذارنے کا خواہشمند اور اپنی ساری توجہ صرف اعلیٰ زندگی کے حصول میں صرف کر دینے کا شائق ہوتا ہے۔



صاحب علم دنیاوی شان و شوکت کا شیدائی نہیں ہوتا، وہ صرف زاہدانہ زندگی کو پسند کرتا ہے یہ کیوں؟ اس لئے کہ وہ طبعاً عزلت پسند ہوتا ہے جو تمام چیزوں کے روشن اور ان کے تاریک پہلو اس کے سامنے ہوتے ہیں وہ انسانی زندگی کے تمام اطراف کو اس طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح کوئی شخص کسی اونچے پہاڑ پر چڑھکر اپنے گرد و پیش کے تمام حالات کا معائنہ کرے۔

(۲) تواضع۔

صاحب علم حقائق کے آگے جھک جاتا ہے تاکہ اسرار و غوامض اس پر برابر منکشف ہوتے رہیں تواضع میں اسکے لیے ایک خاص روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی کو وہ اپنی کامیابی کا زینہ سمجھتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے کو اور دوسروں کو انصاف کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بے جا حمایت، بے جا تعصب اور بے جا فخر و مباہات کی راہ کبھی نہیں چلتا، وہ جانتا ہے کہ علم اور اس کے نظریات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں آج ایک نظریہ قائم کیا جاتا ہے، کل اس کی دھجیاں اڑا دی جاتی ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اور کبھی بھی کسی نظریہ کے اٹل ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

(۳) عالم خیال کی سیر

صاحب علم میں ایک آرٹسٹ اور ایک شاعر دونوں کی روح کارفرما ہوتی ہے جو بحیثیت ایک آرٹسٹ کے وہ مظاہر فطرت کے نقش و نگار سے دل بہلاتا اور بحیثیت ایک شاعر کے وہ فضاء تصور میں جولانیاں کرتا ہے اور دنیائے تخیل میں طرح طرح فرضی منصوبے قائم کرتا ہے اور کبھی کبھی انہی تخیلات میں کھو جاتا ہے کہ پھر اس کا سراغ نہیں لگتا۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر علما فنون لطیفہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس میں کمال حاصل کر کے رہتے ہیں بعض مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ مثلاً آئنسٹین ستار بجانے میں ماہر تھا، ہنری پوئنکارے فوٹوگرافی میں امام تھا۔ میڈم کوری بال تراشنے میں یکتائے روزگار تھی۔

(۴) صبر

صبر ارادہ کا خادم اور ارادہ صاحب علم کی کامیابی کی کلید ہے۔ صاحب علم کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اس کا قلب، اور ذہن، یاس و حسرت کے جذبات سے بالکل ناآشنا ہوتا ہے۔ تلخ تجربے کبھی اس کو تھکاتے نہیں اور نہ کبھی اس کی راہ میں رکاوٹ بنتے۔ بلکہ ان چیزوں کا اس پر الٹا اثر پڑتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ناکامیاں اس کے ارادے کو کمزور کریں وہ اپنے ارادوں میں اور اٹل ہو جاتا ہے۔ وہ ٹھوکروں سے ثابت قدمی اور پامالیوں سے سرفرازی کا سبق حاصل کرتا ہے اور یہی اس کی زندگی کا خاص پہلو ہے۔

رکتی ہے میری طبع تو ہوتی رواں اور

ارادہ کی پختگی، جو قوی اور کمزور ارادہ کے انسانوں میں حد فاصل ہے، ایک صاحب علم میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ وہ مخالف عناصر کو مغلوب کرنے کیلئے بار بار کوشش کرتا ہے اور صبر کو کامیابی کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے۔

(۵) محبت انسانیت۔

صاحب علم تمام عالم انسانی اور اپنے پورے وطن کی خدمت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اس کا تعلق کسی خاص جماعت سے نہیں ہوتا۔ وہ سیاسی تنگ نظریوں سے بالاتر ہوتا ہے۔ اس کا تعلق محض اجتماعی اصول و مبادی سے ہوتا ہے۔ اس سے کم پر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔

اکثر حکومتیں اپنے علماء کی ایجادات کے فوائد کو صرف اپنے لئے مخصوص کر لیتی ہیں لیکن جو علماء اپنے صحیح مرتبہ سے واقف ہیں وہ اپنے دماغی ثمرات کو قوموں اور جماعتوں کے لئے مخصوص کرنا پسند نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں تمام انسانیت کے لئے کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن ناصر


# تفسیر سورۃ الفیل

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ الفیل کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی ہر فصل ایک مستقل کتاب ہے۔ واقعہ فیل کی اصل حقیقت اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بالکل مجہول تھی۔ علامہ فراہیؒ نے کلام عرب کی مدد سے واقعہ کی تمام تفصیلات فراہم کرکے تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کردیا ہے۔ واقعہ ظہور کو بھی عجائب پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دیدیا تھا۔ مولاناؒ نے اس واقعہ کے متعلق بھی عینی شاہدوں کی شہادتیں جمع کرکے اس کی اصل حقیقت کو آشکارا کردی ہے اور اسی سلسلہ میں رمی جمرات اور حج کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ عمدہ حجم ۱۱۳ صفحے۔ قیمت ۸؍

# تفسیر سورہ کافرون

اس میں ہجرت اور برأت کا اصلی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بے شمار مشکلات آپ سے آپ حل ہو گئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ عمدہ۔ تقطیع ۳۰×۲۰/۱۶ ضخامت ۴۸ صفحے قیمت ۴؍

# اسباق النحو حصہ اول و دوم

اردو زبان میں عربی صرف و نحو کے بہترین رسالے ہیں۔ قیمت حصہ اول ۵ حصہ دوم ۶؍

# تحفۃ الاعراب

اردو زبان میں عربی نحو کے مسائل نہایت بہترین طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ۲؍

منیجر